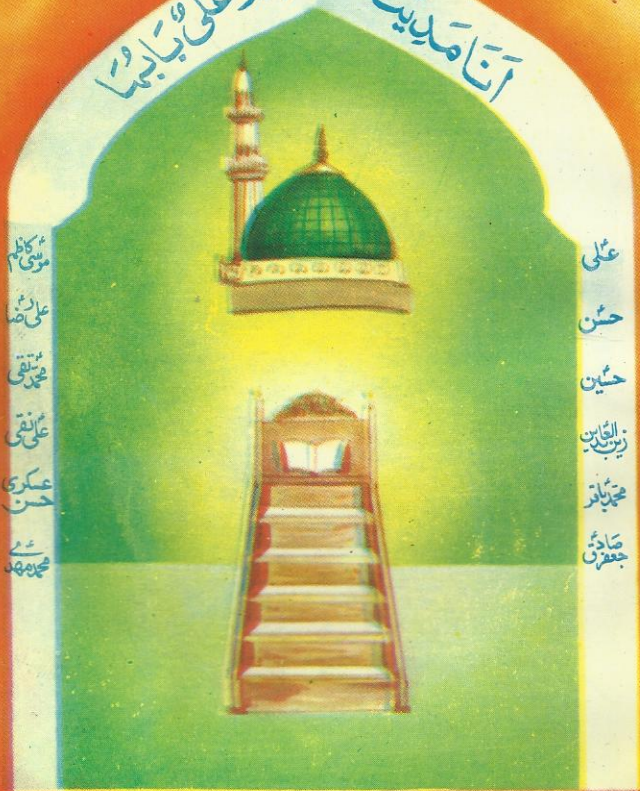


وَصِي رَحْمَتٍ لِّلْعَالَمِينَ بِجَوَابِ وَصِي رَسُولِ اللَّهِ

وَصِي رَسُولِ اللَّهِ

تاریخ کی روشنی میں

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا



موسیٰ کاظم
علی رضا
محمد تقی
علی نقی
عسکری
حسن
محمد مهدی

علی
حسن
حسین
زین العابدین
محمد باقر
صادق
جعفر

عبد الکریم مشتاق

مصنف

53
وَصِي رَحْمَتُ لِلْعَالَمِينَ بِجَوَابِ وَصِي رَسُولِ اللَّهِ

وَصِي رَسُولِ اللَّهِ

تاریخ کی روشنی میں
سبیلِ سکیہ

حیدرآباد لطیف آباد، پوسٹ نمبر ۷۱۰۸

مصنف :-

عبد الکریم مشتاق
ناشر

رحمت اللہ بک ایچ پی سی، ناشران و تاجران کتب
بمبئی بازار نزد خوجہ شیخہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۱

اطلاع عام

کتاب ہذا شیعی نقطہ نگاہ سے
مرتب کی گئی ہے۔ جو افراد اپنے
عقائد پر تنقید پسند نہیں کرتے
وہ اس کا مطالعہ نہ کریں۔

البتہ ایسے حضرات جو صحتمندانہ
مباحثات میں دلچسپی رکھتے ہیں اور
افہام و تفہیم میں غیر جانبدارانہ رویہ
کے حامل ہیں وہ تحقیق حق و باطل کی
خاطر مندرجہ معروضات پر ضرور غور
فرمائیں امید ہے کہ ان کے طبائع سلیم پر
یہ کتاب بار نہ ہوگی اور انشاء اللہ راہ نجات
کا سنگِ میل ثابت ہوگی۔

فہرست

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۹	ہدیہ عقیدت	۱
۱۰	مقصد تحریر	۲
۱۸	پیش لفظ	۳
۱۲	آغاز	۴
۱۳	مخلصانہ گزارش	۵
۱۳	ایکلی کتاب کافی نہیں ہے	۶
۱۶	اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے	۷
۱۸	قرآن میں اختلاف نہیں	۸
۱۹	ہر فیصلہ کتاب اللہ میں موجود ہے	۹
۱۹	وصی رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین خود	۱۰
	خالق کائنات نے فرمایا	
۲۲	صدیق کون ہے ؟	۱۱
۲۲	سرکار رسالت کا فیصلہ	۱۲
۲۳	دعویٰ صدیق نبرمان صدیق اکبر	۱۳
۲۴	تصدیق رسالت	۱۴

ایکلی کتاب کافی نہیں ہے
اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۴	تصدیق ملائکہ اور صدیق اکبر	۱۵
۲۵	صدیق تین ہی ہیں	۱۶
۲۶	شہادت حضرت عمر	۱۷
۲۶	دعوتِ عمور	۱۸
۲۷	قرآن مجید اور صدیق اکبر	۱۹
۲۸	خلافت روحانی یا خلافت راشدہ	۲۰
۲۰	وصی رسول اللہ کی قرآن میں مزید وضاحت	۲۱
۲۲	وصی رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن	۲۲
۳۶	قرآن کی روشنی میں	
۳۸	خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب ایمان ہو	۲۳
۴۰	خلیفہ کا صالح ہونا ضروری ہے	۲۴
۴۱	عطائے خلافت حسب سنت سابقہ	۲۵
۴۱	خلیفہ دین کو مضبوطی سے قائم کرے گا۔	۲۶
۴۳	خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عابد کامل ہو اور مشرف نہ ہو	۲۷
۴۵	خلیفہ خدا کا انکار (کفر) فسق ہے۔	۲۸
۴۵	جہاد و النفاق فی سبیل اللہ اور حضرت ابو بکر الصدیق	۲۹
۴۵	کابلند مرتبہ قرآن میں۔	
۴۸	مغازی سے قرآن کا انجام	۳۰

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۴۹	حضرت علی کو حاکم مدینہ مقرر کرنے کی مصلحت	۳۱
۵۰	نسبتی حدیث اور اس کا مفہوم	۳۲
۵۲	جناب امیر علیہ السلام خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے	۳۳
۵۳	وصی رسول اللہ تاریخ کی روشنی میں	۳۴
۵۷	راز دار نبوت	۳۵
۵۷	مستحقین خلافت	۳۶
۶۰	اظہار خیال	۳۷
۶۱	وجہ اول (دعوت ذوالعشرہ)	۳۸
۶۲	وجہ دوم (شُرک)	۳۹
۶۳	وجہ سوم (اعلانِ پیغمبر)	۴۰
۶۴	بارون محمدی	۴۱
۶۵	تبلیغ سورہ برات	۴۲
۶۶	وجہ چہارم (حدیث غدیر)	۴۳
۶۷	لفظ ثلوث کی تشریح	۴۴
۶۸	حضرت عمر کی مبارکبادی	۴۵
۶۹	دستار بندی	۴۶
۶۹	حزب فہری کا واقعہ تصدیق حدیث غدیر ہے۔	۴۷
۷۰	قرآن مجید حدیث غدیر کا مصدق ہے۔	۴۸

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۷۱	خطبہ غدیر میں الفاظ "وصی" اور "خلیفہ"	۴۹
۷۲	وجہ پنجم (سُنَّتِ الْبَیْتِ)	۵۰
۷۳	وجہ ششم (تہاد)	۵۱
۷۳	گزارش یا چیلنج	۵۲
۷۳	وجہ ہفتم (غضبِ تبوُّل)	۵۳
۷۴	شرائط خلافت از روئے قرآنِ الحکیم	۵۴
۷۴	شرط اول (خلیفہ برحق کا تقرّر خدا خود فرماتا ہے اور وہ اجتماعی نہیں ہوتا)	۵۵
۷۵	حضرت ابوبکر خلیفہ کیسے بنے؟	۵۶
۷۸	غور طلب امور	۵۷
۷۹	ایک شبہ کا ازالہ	۵۸
۷۹	شرط دوم (خلیفہ یا امام عالم علم لدنی ہوتا ہے)	۵۹
۸۱	علم ابوبکر	۶۰
۸۵	شرط سوم (خلیفۃ اللہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع بھی ہوتا ہے)	۶۱
۸۵	شرط چہارم ("ظالم" خلیفۃ اللہ و وصی رسول اللہ نہیں ہو سکتا)	۶۲
۸۷	شرط پنجم (شرط خلافتِ خاندانی وراثت ہے نہ کہ جمہوری)	۶۳

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
	احادیثِ رسول امین میں خلفائے برحق کی نشاندہی ان کی	۶۲
۹۰	تعداد اور اسمائے مبارک	
۹۲	منکر آئمہ اطہار مستحق شفاعت رسول نہیں اور وہ جہنمی ہے	۶۵
۹۵	اثباتِ خلافتِ حیدریہ از کتب ادیان دیگران	۶۶
۹۶	ایلیاً	۶۷
۹۶	کرشن جی مہاراج کی دعا	۶۸
۹۶	اطاعتِ علیؑ اور زبور داؤدیؑ	۶۹
۱۰۰	مہاتما بدھ کی دعا	۷۰
۱۰۱	یورپین مورخوں کی رائے	۷۱
۱۰۲	مسٹر واشنگٹن ایرونگ	۷۲
۱۰۳	مسٹر جان ڈیون پورٹ	۷۳
۱۰۵	مسٹر سٹیڈ لٹ فرانسیسی	۷۴
۱۰۶	آزیبل فرنیئر ٹیکر صاحب	۷۵
۱۰۶	مسٹر گبن	۷۶
۱۰۶	صحتِ حدیثِ غدیر کا ثبوت منجانبِ خدا بشکلِ عتاب	۷۷
۱۰۸	انس بن مالک کا اعتراف	۷۸
۱۰۹	زید بن ارقم کی بصارت کا کھوجانا	۷۹
۱۰۹	خلاصہ بیان	۸۰

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۱۱۳	دورِ ابوجبر اور تمکینِ دین	۸۱
۱۱۴	غضبِ حق منافی دین ہے	۸۲
۱۱۴	عدم بیعت امیرِ علیہ السلام	۸۳
۱۱۴	انتشارِ شیرازہِ مملتی	۸۴
۱۱۷	ظلم اور تمکینِ دین	۸۵
۱۱۸	خاتہ سیدۃ النساء کو آگ لگانے کی کوشش	۸۶

ہدیہ عقیدت

رسالہ ہذا سرکار امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین وصی رحمة للعالمین
لیسوب الدین، امام المتقین اسد اللہ، وجہ اللہ، و نفس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بارگاہ
عظیم میں پیش کرتا ہوں۔ جن کی مشکل کشائی انبیاء و مرسلین اور ملائکہ
نے بھی تسلیم کی۔

مسلم اول شہ مردان علیؑ
عشق را سراپای ایمان علیؑ
(اقبال)

گدائے در تبولؑ
عبر الکریم مشتاق

مقصد تحریر

اس کتاب کے لکھنے کا مقصد محض دعوتِ تحقیق ہے آج کل گروہ مخالف کی جانب سے مذہبِ حقّہ شیعہ اثنا عشری کے عقاید کھینچاؤ متواتر زیر آلود لٹریچر شائع ہو رہا ہے اور لوگ تحریر و تقریر کے ذریعے مذہبِ آلِ محمد کے لئے مخالفانہ ٹھکانے استعمال کرنے میں کوئی دقیقہ فریادگذاشت نہیں کر رہے۔ اندر میں حالات سکوت اختیار کر لینا بالکل اسی طرح ہے جیسے کسی جابر سلطان کے سامنے کلمہِ حق نہ کہنا چنانچہ ایسے ہی اشخاص میں سے ایک صاحب محمد سلطان نظامی ہیں جنہوں نے ادارہ شرکت ادبِ پنجاب شاہی محلہ لاہور کی معرفت ایک رسالہ ”وصی رسول اللہ“ لکھا ہے۔

رسالہ مذکور میں انہوں نے اپنے خلیفہ اول حضرت ابوبکر کو ”وصی رسول اللہ“ نہایت کمرنگی کوشش کی ہے اور شیعہ عقیدہ ”وصایتِ علی“ کی تردید کر کے جسارت کی ہے چونکہ مذہبِ شیعہ اور دیگر مسلمانوں میں یہی بنیادی اختلاف ہے لہذا اپنے عقیدہ کی وکالت کرنا مذہبی فریضہ سمجھا اور محض افہام و تفہیم کی خاطر نظامی صاحب کے رسالہ پر تنقیدی قلم اٹھایا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اندازِ تحریر خوشگوار

اور سادہ ہو۔ نیز تنقید صحت مندر ہے اور رواداری کے دائرے سے باہر نہ ہو تاہم یہ گدازش ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کہیں مناظرانہ رنگ نظر آئے تو ازراہ نوازش درگزر فرمائیں اور اپنی قیمتی رائے سے راقم الحروف کو مطلع فرما کر ہدیہ تشکر کا موقع بخشیں

احقر عبد الکریم مشتاق

رسالہ سب بڑا جہاد کسی جابر سلطان کے سامنے کلمہِ حق کہنا ہے (حدیث نبویؐ)

پیش لفظ

کتاب ہذا کے عنوانات وہی قائم کئے گئے ہیں جو فریق مخالف نے بنائے
 کوشش کی گئی ہے کہ اُن کے ہر جملے کا جواب تحریر کروں اور استدلال اُن
 ہی کے مکتب فکر سے حاصل کروں۔ تاکہ مدعی خود ہی بطور گواہ پیش ہو۔ پہلے
 حزب مخالف کی عبارت نقل کی گئی ہے پھر اس کا نقلی جواب لکھا گیا ہے اور بعد
 میں اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ عبارت کو نہایت سلیس لکھا ہے اور اکثر
 مقامات پر اصل عبارت کا ترجمہ ہی نقل کیا گیا ہے تاہم تمام حوالہ جات پوری
 ذمہ داری سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اصل
 محمولہ کتب ملاحظہ فرمائیں تاکہ تحقیق حق و الباطل باطل ہو سکے اور یہ دعویٰ
 ثابت ہو جائے کہ مذہب شیعہ کے عقائد کا جواز کتب اہل سنت میں موجود ہے
 اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ حسن کا انکار محال ہے۔ میری دعا ہے پروردگار
 عالم منبع ہدایت سرکارِ ولایت وصی رسالت مآب جناب امیر علیہ السلام
 کے صدقے میں تمام مسلمانوں کو متحد و کامران رکھے اور ان میں تجسس و
 غیر جانبداری کا پرخلوں جذبہ پیدا کرے۔ (آمین)

حسین اندلیش

فقیر اب مدنیۃ العلم

عبدالکریم مشتاق

آغاز

آغاز کلام کرتا ہوں رب العالمین کے اسم باریک "اللہ" سے جو رحمن و رحیم ہے۔ اور سب سے پہلے اسی کے حکم سے درود و سلام پیش کرتا ہوں۔ اُن لغویں تفسیر کی بارگاہوں میں جو غائت کائنات ہیں۔ اے اللہ! صلوات ہو محمد و آل محمد علیہم السلام پر۔ تا بعدہ، ارشاد قدرت ہے کہ:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَصِحِّحْ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَكُوْكِرَا الْمَجْمُوْنَه
پا یونس ۸۲

اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے حق ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ مجہین ناپسند کریں۔ اُنٹ منقولہ ثابت کرتی ہے کہ امر حق کو ثابت کرنے کے لئے کسی کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ لہذا اسی آیت کی روشنی میں رسالہ "وصحیح رسول اللہ" مولف محمد سلطان نظامی کا جواب لکھنے کی جرات کرتا ہوں۔ تاکہ حق ثابت ہو۔ مصنف مذکور اپنے رسالہ کا آغاز "خلصانہ گزارش" کے عنوان سے کرتے ہیں۔ لہذا اس عنوان کے تحت انہوں نے کیا تحریر کیا، پیش خدمت ہے۔

۱۳ مخلصانہ گزارش

صاحب رسالہ مذکور سورہ انفعام کی آیت ۵۹ سے ابتدائے کلام کرتے ہیں
آیت کا منقولہ ترجمہ یہ ہے — ”اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دائرہ نہیں گزرا اور
نہ کوئی ترجمہ یا خشک مگر وہ ایک گھلی کتاب میں موجود ہے۔“

ترجمہ کے پورے کچھتے ہیں کہ ”جس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں جس
کا ذکر کتاب اللہ میں موجود نہ ہو۔ اور پھر کتاب کے متعلق فرمایا کہ وہ کھول کر بیان
کر نیوالی کتاب ”قرآن مبین“ ہی ہے۔ چنانچہ فرمایا — ”میں اللہ دیکھنے والا ہوں
یہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور قرآن کی جو کھول کر بیان کر نیوالا ہے۔ الحج ۷۔“
پس ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں ہر اختلاف کا حل موجود ہے جسے نہایت

واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اس میں بیان فرمایا ہے۔ پھر فرمایا — ”اور یہ قرآن اللہ
کے سوا کسی کا جھوٹ بنایا ہوا نہیں بلکہ وہ کتب سابقہ کا مصداق اور جہانوں کے
رب کی طرف سے کتاب کی تفصیل ہے جس میں شبہ نہیں۔“ سورہ یونس ۳۷۔

اس آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ جس
طرح یہ سابقہ واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔ اسی طرح آئندہ واقعات کی بھی تفصیل سے واضح
طور پر بیان کرتی ہے۔ اور اس میں شک و شبہ ایمان کے منافی ہے۔“

پشتہ اس کے کہ ہم آگے چلیں ضروری سمجھتا ہوں کہ
منقولہ اقتباس پر کچھ اظہار خیال کروں مؤلف مرحوم

اکیلی کتاب کافی نہیں ہے

نے جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا حل موجود ہے یہ کتب سابقہ
کا مصدق ہے۔ چنانچہ اس سے کوئی دعویٰ یا ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اتنا عرض

ضرور کروں گا کہ کتاب بغیر شارع یا معلم کے ایسی ہادی نہیں ہو سکتی۔ اس بات کی تصدیق خود کتاب ہی کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: — ”جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسولؐ کو بھیجا تم ہی میں سے جو ہماری آیات تم کو سناتے ہیں اور تمہارا تذکرہ کرتے ہیں اور تم کو تعلیم دیتے ہیں کتاب کی حکمت کی اور تم کو ایسی باتوں کا علم سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے“ سورہ بقرہ ۱۵۱

لہذا معلوم ہوا کہ علم کتاب کے لئے عالم کتاب سے ہدایت لینا اللہ صریحاً ہے چنانچہ اس کی تائید میں قرآن میں کئی آیات موجود ہیں — اس کے بعد پھر مولف موصوف کی عبارت کی طرف متوجہ ہوں لکھتے ہیں ”صحابہ کبار نے وصیؑ رسول اللہ کا مسئلہ متفقہ طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں طے کر کے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کو خلیفہ رسولؐ منتخب کر لیا۔ اور اقوام عالم پر یہ ثابت کر دیا کہ بعد از پیغمبر آخر الزماں ان کا ہادی و رہنما صرف قرآن و سنت ہیں۔ جسکی روشنی میں وہ اپنے ہر اختلاف کو بغیر کسی قسم کے انتشار و خانہ جنگی کے نہایت احسن طریق پر حل کر سکتے ہیں پھر ہماری ہدایت کے لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں“

اس عبارت پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی لیکن یہاں صرف

چند سوالات فاضل مصنف سے کرتا ہوں :-

- ۱:- کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ”وصیؑ رسول اللہ کا مسئلہ صحابہ کبار نے طے کیا ہے؟
- ۲:- حضرت ابوبکر کو صحابہ نے خلیفہ رسول اللہؐ منتخب کیا۔ کیا یہ درست ہے؟
- ۳:- کیا یہ بھی ٹھیک ہے کہ اس انتخاب کے موقع پر کوئی انتشار یا خانہ جنگی نہ ہوئی؟
- ۴:- جیسا کہ آپ نے خود ہی تسلیم کیا کہ قرآن مصدق کتب سابقہ ہے لہذا ارادہ مہربانی

جواب دیں کہ کسی بھی گذشتہ نبی یا رسول کا نائب صحابہ کبار نے منتخب کیا ہے اگر کیا تو ثبوت دیجیے۔

۵۔ کسی بھی مُرسَل کا وہی کوئی گنجائی ہوا ہے؟ اگر ہے تو آیت بتلائیں۔
 جس وقت آپ ان سوالات کا جواب تلاش کریں گے۔ تو پھر قرآن پر غور کیجئے تاکہ دل کا قفل کھُل جائے۔ ویسے ان سوالوں کے جوابات آپ کی عبارت میں ہی موجود ہیں کہ حضرت ابو بکر کو صحابہ نے متفقہ طور پر خلیفہ چنا حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ گذشتہ انبیاء کے صحابہ نے وہی رسول کا چناؤ خود کیا ہو۔ ایک دم سنتِ الہی میں تبدیلی کا کیا جواز ہے؟ اب آپ ان سوالات پر غور فرمائیے ہم آپ کی آئندہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

”آئیں ذرا غور کریں قرآن میں اور تحقیق کریں کہ ”وصی رسول اللہ“ کا مسئلہ جسے مسلمانوں نے خواہ مخواہ دائمی اختلاف بنا رکھا ہے۔ اسے صحابہ کبار جو قرآن میں غور و فکر کرتے تھے اور جن کے قلوب میں تقویٰ اور خوفِ خدا تھا۔ انہوں نے کس طرح اسے حل کر کے مرکزِ اسلام کو مضبوط سے مضبوط تر بنادیا اور اپنے اجتماع سے دوستانِ اسلام کے فتنہ و بدترین سازش کو نیست و نابود کر دیا۔

احقر العباد

محمد سلطان نظامی عفی عنہ

اب ہم صاحب رسالہ مذکور کی اپیل کے مطابق قرآن میں غور کریں اور تحقیق کریں کہ مسئلہ ”وصی رسول اللہ“ کا صحیح حل کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

عنوان بالا کے تحت مصنف مذکور نے سورہ انفام کی ۱۵ اور ۱۱ آیت مع ترجمہ نقل کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں "مسلمان صدیوں سے اس اختلاف میں مبتلا ہیں کہ وصی رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کون ہوگا۔ یہ اختلاف آنحضرت کی وفات حشر آیات کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ بزرگانِ عشرہ مبشرہ بھی تھے جنہوں نے قرآن پاک کے احکام اور سنت نبوی کی پیروی میں نہایت احسن طریق پر اس اہم مسئلہ کو حل کر کے اسلام کو خانہ جنگی اور تباہی سے محفوظ کر لیا اور متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ اس کے بعد اسلام کی ترقی شروع ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ بڑھا تو اسلام سر زمین عرب سے نکل کر دنیا کے شرق و غرب میں پھیلنا شروع ہوا تو مسلمین کی تعداد بھی بڑھی شروع ہوئی۔ دشمنان اسلام نے وحدتِ اسلامی کو تباہ و برباد کرنے کیلئے دو نبوت۔ دورِ عین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت) میں کیا کچھ نہ کیا مگر ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی۔ ان کی سازشیں اس لئے پروان نہ چڑھ سکیں کہ قرآن حکیم کو حکم ماننے والے۔ اس میں غور و خوض کر نیوالے اور تحقیق کر نیوالے جلیل القدر صحابہ کبار موجود تھے۔

مگر حضرت عثمان ذوالنورین کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں ایک یہودی راہب عبد اللہ بن سبا جو محض اس لئے مسلمان ہوا تھا کہ وہ وحدتِ اسلامی کو

۱۰ سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر اختلاف بیعت ابوبکر کے وقت وجود میں آیا اس کی مثال آج بھی نہیں مل پاتی۔

تازہ کر دے چنانچہ اس نے ”وصی رسول اللہ“ کا مسئلہ کچھ اس رنگ میں پیش کیا کہ نو مسلمین اس کی گہری سازش کا شکار ہو گئے۔ اور انہوں نے صحابہ کبار کو سب و شتم کرنا شروع کر دیا۔ ان کچھ نہوں نے اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ایک منظم گروہ اور سازش کی شکل میں مدینۃ الرسول میں وارد ہوئے۔ اس کی پُر امن فضا کو اپنے گندے پراپیگنڈہ سے مکدر رہی نہ کیا خود خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کو اس بیدردی سے ذبح کیا کہ جسے بیان کرنے سے خود قلم لرزتا ہے۔ بعد ازیں حضرت علی جیسے نیک میرت بزرگ جو خلیفہ چہارم منتخب ہوئے انہیں دیار یار اور سایہ رسول اکرم اور قرب صحابہ کو چھوڑنے پر مجبور کیا اور اپنے ساتھ کوفہ لے گئے۔ پھر صحابہ رسول کو نیت و نابود کرنے کے لئے اور اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ان بزرگان دین میں قصاب عثمان کے نام پر خانہ جنگی بپا کر دی۔ ہزار ہا بے گناہ مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں تہ تیغ کروائے۔ وحدتِ اسلامی کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور جب اس خونخوری سے بھی ان کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تو خود اس بزرگ صحابی کو جو خلیفہ منتخب ہوئے جس کی پیروی اور بیعت کا وعدہ کیا تھا اسے بھی موت کے کھچاٹ اتار دیا۔“

منقولہ بالا عبارت کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک طرف تو مصنف صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں مسلمان صدیوں سے مسئلہ وصایت میں مختلف نظریات کے حامل ہیں اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کو منفقہ طور پر حل کیا گیا۔ دونوں میں کس بات کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ اس کا جواب مولف منقولہ ہیں دے سکتے ہیں۔ ہم اپنی رائے کا اظہار آئندہ صفحات میں بالوضاحت کریں گے۔ فی الحال یہی عرض کریں گے کہ جناب رسولؐ نے یہ مسئلہ خود بخود حکم خدا حل

کر دیا تھا۔ جہاں تک عبداللہ بن سبا کے واقعہ کا تعلق ہے تو تحقیق جدید سے یہ بات پابریثوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ کردار من گھڑت اور فرضی ہے۔ اس پر ہم نے ایک کتابچہ ”تصدیق لفظ شیعہ“ میں روشنی ڈالی ہے۔ ناظرین مطالعہ فرمائیں۔ دوسرے چین اور ایام حکومت سوم کی پڑا شوبی اور حضرت علیؑ کے زمانے کے واقعات چونکہ خارج از موضوع ہیں۔ لہذا ان کو زیر بحث لانا تصنیعِ اوقات ہوگا۔ البتہ مطالعہ تاریخ سے یہ بات از خود اجاگر ہوتی ہے کہ ان واقعات کا پس منظر اور وجوہات کیا تھیں۔ اور اس کی ذمہ داری کن حضرات و خواتین پر عائد ہوتی ہے۔

قرآن میں اختلاف نہیں | اس عنوان کے تحت مصنف نے سورۃ النساء کی آیت ۸۲، ۸۳ نقل کی ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اختلاف نہیں اور بعد میں سورہ العام کی ۵۸ آیت نقل کر کے لکھتے ہیں: ”خالق کائنات مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں نسلِ انسانی اور خصوصاً مسلمانوں کو اس حقیقت سے روشناس کرانا ہے کہ کائناتِ ارضی و سماوی سب اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ کوئی چیز اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ نبی و وصی کا تعین بھی سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ دینِ حق کو شرق و غرب میں پہنچانا بھی اسی کے اختیار و قدرت میں ہے۔“

مصنف کے منقولہ بیان پر ہم صراحتاً عرض کریں گے کہ ہم شیعہ چارے بھی تو یہ کہتے ہیں کہ نبی اور اس کا وصی بخائب اللہ ہوتا ہے۔ تو پھر ہم نشانہ اعتراض کیوں بنتے ہیں؟ جبکہ بحیثیت معترض آپ نے

بھی ہمارا موقف تسلیم کر لیا کہ ”وصی رسول“ کا انتخاب خود رب العزت کرتا ہے۔ اب آپ انصاف کیجئے۔ جب خدا خود وصی کا چناؤ کرتا ہے تو پھر خلیفہ منتخب کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

کیا نبیؐ کا انتخاب خود امت کرتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر نبی کے وارث کا انتخاب کس استدلال کی بنا پر جائز قرار پائے گا؟ جیسا کہ آپ نے مان لیا کہ وصی پیغمبر فرستادہ رب العزت ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا یہ تحریر کرنا کہ صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر کو خلیفہ منتخب کر لیا، از خود محتاج دلیل ہے۔ کیونکہ صحابہ کے پاس حق انتخاب ہی نہیں ہے۔ اور یہ حق خدا ہے۔ لہذا کوئی بھی منتخب شخص جسے لوگوں نے بلا نص قطعی چنا ہو مجانب اللہ نہیں ہوگا۔

اس عنوان کے تحت سورہ انعام کی ہر فیصلہ کتاب اللہ میں موجود ہے

۵۹ آیت نقل کی گئی ہے اور اس بات کو بار دیگر دہرایا گیا ہے کہ بعثت پیغمبر اور وصی رسولؐ کا تعین خود رب العزت کرتا ہے۔ نیز کتاب اللہ سے بہتر کوئی حکم نہیں اور اس میں سب اختلافات کا حل موجود ہے۔

وصی رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم
کا تعین خود خالق کائنات نے فرمایا

در وع گورا حافظہ نہ باشد

ایک طرف تو مؤلف رسالہ مذکور کا یہ موقف ہے کہ حضرت ابو بکر کو

صحابہ کرام نے متفقہ طور پر خلیفہ چنا تو دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ وصی رسولؐ کا
تعیین خود خالق کائنات نے فرمایا۔

چنانچہ مندرجہ بالا عنوان کے تحت رقم طراز میں کہ ”اسی اختلاف کو
صحابہ کبار نے قرآن حکیم کو حکم مانستے ہوئے حل کر لیا تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق
کو رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی وصی بھی مان لیا تھا“ اس
کے بعد سورۃ النساء کی آیت ۶۹ نقل کرتے ہیں۔

”اور جو شخص اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ لوگ اُن کے
ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ یعنی نبیوں و صدیقوں و شہیدوں
اور صالح لوگوں (کے ساتھ) اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔“ سورۃ النساء کی یہ آیت
سورۃ فاتحہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تشریح و تفسیر بھی ہیں۔ ”ہمیں سیدھی راہ
دکھلا اُن کی جن پر تو نے فضل کیا۔“ اس آیت میں ان بزرگانِ دین جن پر
خدا کا فضل ہوا کی تشریح فرمائی کہ وہ کون ہیں فرمایا وہ ہیں نبی، صدیق
شہید اور صالح اور فرمایا کہ یہ اچھے ساتھی ہیں۔ مندرجہ بالا بزرگانِ دین کے
دور ہی کو تو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے۔ اور حیران کن اور حقیقت پر مبنی
تو یہ دو خلافت ہے جو عین قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت و پیش گوئی و ترتیب کے
مطابق وقوع میں آیا۔

قرآن حکیم کی ترتیب پھر غور سے پڑھیں اور خدا راہِ قسم کے تعصب
کو چھوڑ کر صرف بنظر تحقیق قرآن پاک کے الفاظ اور ترتیب میں غور فرمائیں
تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے
اس دورِ مبارک کا تعین خود فرمایا اور وصی رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم

کا انتخاب بھی خود ہی فرمایا چنانچہ فرمایا۔

وَالنَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ

اب ذرا اس دورِ راشدہ کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو من و عن اس آیتِ مبارکہ کے عین مطابق ظہور پذیر ہوا اور جسے دنیا کی کوئی طاقت مذہب اور جماعت جھٹلا نہیں سکتے۔

۱۔ حضرت سیدنا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق (طبعی وفات پائی)

۳۔ حضرت سیدنا عمر الفاروق (شہید ہوئے)

۴۔ حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین (شہید ہوئے)

۵۔ حضرت سیدنا علی اسد اللہ (شہید ہوئے)

۶۔ حضرت سیدنا حسن صالح (شیعانِ علی اور شیعیانِ معاویہ کے درمیان خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہوئے) مصنف نے جو آیت نقل کی اور اس کی تشریح میں جو لکھا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے لئے خلفاء کا صدیقین، شہداء اور صالحین ہونا ضروری ہے اور اسی ترتیب کے تحت مولف نے نقل کردہ فہرستِ خلفائے راشدین کی تطبیق کی ہے مصنف نے جہاں ہمیں دعوتِ تحقیق دی ہے وہاں اپنی پیش کردہ فہرست پر یہ چیلنج بھی دیا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت و مذہب اور جماعت ان کی فہرست کو نہیں جھٹلا سکتے۔ چنانچہ ہم نے بار بار غور کیا اور آخر کار تحقیقات نے ہمیں مجبور کر دیا کہ مقررہ نامی کا چیلنج قبول کر لیں۔

لہذا اب ہم دیکھتے ہیں کہ صاحبِ کتاب "وصی رسول اللہ" کی پیش کردہ فہرست

قرآن، حدیث اور تاریخ میں کیا مقام رکھتی ہے۔ جیسا کہ مولف نے اس بات کو تسلیم

کیا ہے کہ وہی رسول اللہؐ صدیق ہی ہو سکتا ہے لہذا اب ہم میدان تحقیق میں اُتتے ہیں تاکہ شناختِ صدیق اکبر ہو سکے۔

مطرح نظامی نے قرآن پاک کی آیت جو آیا صدق کے ساتھ اور جس نے تصدیق کی وہی صاحبِ تقویٰ ہے۔ نقل کی ہے اور تفسیر مدارک اور مجمع البیان میں زجاج سے روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”صدق کے ساتھ آنے والے سے مراد رسول اللہؐ صلعم اور ان کی تصدیق کرنے والے سے مراد ابو بکر ہیں۔“

چونکہ مؤلف نے روایت کتبِ اہلسنت سے نقل کی ہے لہذا دیگر مسلمانوں کے لئے حجت قرار نہیں پاسکتی لہذا ہم اس روایت پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے اور فریقِ مخالف ہی کے مسلمات سے اس دعوے کی زبردی کریں گے۔

آئیے اب ہم دیکھتے ہیں کہ صدیق کون ہے۔ اور پروردگارِ عالم کے مقدس رسولؐ نے صدیقیت

صدیق کون ہے؟

کی سند کس کو عطا فرمائی؟

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسی ہستی کو صدیق تسلیم کرے جسے رسول اللہؐ نے یہ خطاب عطا فرمایا ہو۔ کیونکہ محکم رسولؐ کے خلاف کسی دوسرے کو صدیق تسلیم کر لینے سے اطاعتِ رسولؐ کی خلاف ورزی ہوگی۔ عہدہ صدیقیت عطا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں اور نہ ہی خدا یا بند ہے کہ جسے لوگ صدیق کہنے لگ جائیں اُسے خدا واقعی صدیق بنا دے۔

جناب سلمان فارسیؓ (ممتاز صحابی رسولؐ) نے بیان کیا کہ سرکارِ رسالتؐ کا فیصلہ جناب رسالتؐ مابعد نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا کہ یہ (علیؑ) وہ ہے جو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا۔ اور قیامت کے دن سب

سے پہلے محمد سے مصافحہ کرے گا۔ اور یہ صدیق اکبر ہے اور یہی فاروق اعظم ہے۔
 حق و باطل کے فرق کو واضح کر دے گا۔ اور یہ مومنوں کا یعسوب ہے اور منافقوں
 کا یعسوب مال ہے۔ روایت اہل سنت: منتخب کنز العمال حاشیہ مندرام ام احمد بن
 حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۲۳ آخری سطر (اخرجہ الدیلمی والطبرانی بحوالہ ارجح المطالب
 باب ۲۳)

دعویٰ صدیق بزبان صدیق اکبر | روایت بالا کو اس روایت سے
 تقویت حاصل ہوتی ہے۔

عباد بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ
 ہوں اور رسول خدا کا بھائی ہوں اور میں ہوں صدیق اکبر۔ میرے بعد کوئی
 یہ دعویٰ نہ کرے گا۔ سوائے تجھوٹے کے۔ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے
 نماز پڑھی۔ (روایت اہل سنت: کنز العمال جلد ۷ ص ۱۵۲ حدیث ۱۵۵۶)
 المناقب احمد والنحاص نسائی، المستدرک (حاکم) سنن حافظ ابو یزید عثمان
 بن الوثیبہ سنن ابن عاصم۔ الحلیمہ ابو نعیم، العقیلمی بحوالہ ارجح المطالب باب اول
 ص ۲۳ علامہ جلال الدین سیوطی، حلیم القدر عالم اہلسنت نے الالحی میں
 اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔)

معاذہ العدیون نے کہا میں نے حضرت علیؑ کو منبر لصرہ پر یہ فرماتے ہوئے
 سنا کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ قبل اس کے کہ ابوبکر ایمان لاتے میں ایمان لایا
 ہوں۔ اور ابوبکر کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لایا ہوں۔

(روایت اہلسنت: المعارف ابن قتیبہ، الراضی المنصرة فی فضائل
 العشرہ، المحب الطبری، بحوالہ ارجح المطالب باب اول ص ۲۳)
 مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے خود اپنا

تعارف بحیثیت صدیق اکبرؑ علانیہ کر لیا۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر نے اپنی زبان سے کبھی بھی صدیق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ واضح رہے کہ یہ روایات کتب اہلسنت سے نقل کی گئی ہیں۔ اور علمائے انہیں صحیح تسلیم کیا ہے۔ اب فیصلہ ناظرین کرام کر لیں کہ صدیق کون ہے؟

تصدیق رسالت
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ علیؑ کو قرآن ہے کھتے کہ تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی۔ اور تو صدیق اکبر ہے۔ (روایت اہلسنت۔ اخرجہ الحاکم، فقلت من الریاض والنسرة بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ ص ۱۱)

واضح ہو کہ اس حدیث میں سب سے پہلے رضی عنہ نے صدیق اکبر کے خطاب کی کسوٹی تصدیق رسالت کو قرار دیا ہے۔ اب سب سے پہلی آیت منقولہ آیت دوبارہ تحریر کرتا ہوں۔
”جو آبا صدق کے ساتھ اور جس نے تصدیق کی وہی ہیں صاحب تقویٰ“۔ تو سب سے پہلے تو بقول رسول اُحضت علیؑ نے ہی تصدیق رسالت کی اسی لئے تو وہ صدیق اکبر ہونے کے ساتھ ساتھ امام المتقین کا اعزاز بھی پاگئے۔ کیونکہ آیت کا اختتام ”ہم المتقون“ پر ہے۔ اور امام المتقین ہونے کا شرف صرف جناب امیر ہی کو بارگاہ رسالت سے نصیب ہوا۔ اگر کسی اور صاحب نے تصدیق رسالت میں سبقت حاصل کی ہوتی تو یقیناً لقب امام المتقین سے بھی نوازا جاتا۔
فانہم۔

تصدیق ملائکہ اور صدیق اکبرؑ
جناب امیر علیؑ کے روایت ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہم چار شخصوں کے سوا یا پھر ان شخصوں کے سوا نہ ہوگا۔

ایک انصاری صحابی نے اٹھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فرما ہوں وہ چار شخص کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا ایک تو میں ہوں کہ براق پر سوار ہوں گا اور میرا بھائی صالحؓ نبی ناقہ اللہ پر سوار ہوگا جس کے پاؤں کاٹے گئے تھے۔ اور میرا چچا حمزہؓ ناقہ عصاب پر سوار ہوگا۔ اور میرا بھائی علیؓ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک پر سوار ہوگا۔ اور اس کے ہاتھ میں نواہی الحمد ہوگا۔ اور وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لیکارتا ہوگا۔ تمام آدمی کہیں گے یہ کوئی معترف فرشتہ یا نبی مرسل یا حامل عرش ہے عرش کے اندر سے ایک فرشتہ جواب دے گا کہ "اے لوگو! یہ نہ کوئی مقرب فرشتہ ہے اور نہ ہی نبی مرسل یا حامل عرش ہے۔ یہ صدیق اکبرؓ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔"

(روایت اہلسنت :- اخرجہ ابو جعفر العقیلی بحوالہ راجح المطالب باب ۱ ص ۲۳)

حضرت ابن عباسؓ، ابو بلیلی سے روایت ہے کہ جناب **صدیق تین ہی ہیں** رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ صدیق تین ہیں اول حبیب انجار مدین آل لیلین جس نے کہا تھا کہ اے قوم مرسلین کی اتباع کرو اور دوسرے آل فرعون میں سے یومن حزقیل جس نے یہ کہا تھا کہ اے لوگو! تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پالنے والا اللہ ہے اور تیسرے علیؓ ابن ابی طالب اور وہ ان دونوں سے افضل ہیں۔

(روایت اہلسنت :- بخاری - احمد - بحوالہ راجح المطالب باب اول ص ۲۳)

قابل غور امر ہے کہ اس حدیث میں کسی چوتھے فرد کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان کے علاوہ کوئی اور سستی صدیق ہونے کا دعویٰ کرے گی تو وہ بلا سند رسولؐ ہوگا۔

شہادت حضرت عمر | حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ تحقیق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علیؑ سے

فرماتے تھے کہ تم سب مومنوں سے پہلے میرے ساتھ ایمان لانے والے ہو۔ اور تم ان سب سے خدا کے عہد کو پورا کرنے والے ہو۔ اور ان سب سے رعیت کے ساتھ زیادہ مہربانی کرنے والے ہو اور ان سب سے اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والے ہو۔

روایت اہلسنت: ساخرہ احمد بن حنبل۔ فی المناقب ج ۱ اربع المطالب

باب ۱ ص ۱۱

اس روایت کی روشنی میں راقم الحروف یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہے کہ ان سب کے ذیل میں خود راوی حدیث بھی شامل ہیں لہذا ان کے نزدیک بھی حضرت امیرؓ بڑے مرتبے والے ہیں۔ اس لئے ہم مرتبہ ہیں چار یا ان نبیؐ کھنا حضرت عمرؓ کی مخالفت کرنا ہے۔

روایات بالا کی روشنی میں اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے "صدیق اکبر" ہونے کا دعویٰ فرماتے ہوئے حضرت

دعوتِ غور | ابوبکر کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ صاحبان عقل سلیم حقیقت ساغور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ جناب امیرؓ نے حضرت ابوبکر کے صدیق اکبر نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ابوبکر ان کے بعد مسلمان ہوئے۔ یعنی علیؑ نے رسالت کی تصدیق پہلے کی۔ لہذا واضح ہو گیا کہ مقام "صدیق اکبر" پر وہی ہستی فائز ہو سکتی ہے جو مسلم اول ہو۔ جناب امیرؓ کا اپنے متعلق "صدیق اکبر" ہونے کا دعویٰ بلاشک و شبہ قابل قبول ہے۔ اور جناب سرور کائناتؐ کے ارشاد مقدرہ کے بعد کلمہ گو کے لئے قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ وہ حضرت علیؑ کو صدیق اکبر

ماننے کی جگہ کسی دوسرے کو اس خطاب کا مصداق تسلیم کرے۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جو لوگ اللہ
قرآن مجید اور صدیق اکبر

اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس وہ

ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ اور وہ نبی شہید۔

صدیق اور صالح ہیں اور ان کی رفاقت اچھی ہے۔" (سورۃ النساء)

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی

تفسیر میں بیان کرتے ہیں جناب علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یا

رسول اللہ کیا ہم جنت میں آپ کی زیارت سے مشرقت ہوں گے جس طرح کہ دنیا

میں ہوتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ ہر نبیؐ کا ایک رفیق ہوتا ہے جو اس کی امت میں

سب سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ پس آیت مشرقت نازل ہوئی کہ وہ لوگ ان کے ساتھ

ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ پس رسولؐ اُغرے حضرت امیرؓ کو فرمایا اللہ

سبحانہ تعالیٰ نے باعلیٰ ترے سوال کا جواب نازل کیا ہے۔ اور مجھے میرا رفیق

بنایا ہے کیونکہ تو سب سے پہلے ایمان لایا اور تو صدیق اکبر ہے۔

(روایت المہنت بحوالہ الحج المطلب باب ۲ ص ۳)

۲۔ سورہ زمر میں ارشاد رب العزت ہے کہ "اور وہ شخص کہ آیا سچ کے ساتھ

اور جس نے کہ تصدیق کی اس کی وہی لوگ رستگار ہیں۔"

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ "وہ شخص کہ آیا سچ کے

ساتھ" وہ جناب رسولؐ خدا ہیں اور جس نے کہ تصدیق کی اس کی "وہ علی

علیہ السلام ہیں۔"

یہی تفسیر اس آیت مبارکہ کی ابن عساکر نے لکھی ہے اور حافظ ابو نعیم نے

الحلیہ میں اور ابن مغازی نے مناقب میں لکھا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی

نے تفسیر در المنثور میں یہی روایت ابو ہریرہ سے نقل کی ہے۔ (واضح ہو کہ یہ وہی آیت ہے جس کا حوالہ مؤلف "وصی رسول اللہ" نے ص ۱ پر دیا ہے۔

۳۔ والدین امنوا باللہ ورسولہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم لہم اجرہم ولو رھم (قرآن مجید سورۃ الحدید)

اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ثعلبی نے اپنی تفسیر میں فقیر ابن معاذی نے مناقب میں۔ اس آیت کا شان نزول بروایت حضرت عبداللہ بن عباس یوں تحریر کیا کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔

مذہب بالایمان میں یہ بات بڑی آسانی سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ کہ اصل صدیق اکبرؑ سرکارِ ولایت جناب امیر علیہ السلام ہی ہیں۔ جسے نہ صرف شیعہ بلکہ مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اب ہم توقع کرتے ہیں اور ناظرین کو رسالہ منقوہ کی جانب متوجہ کرتے ہیں چنانچہ "وصی رسول" آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین خود خالق کائنات نے فرمایا کے عنوان کے بعد مستف نے سورۃ النساء کی چند آیات بابت وراثت نقل کی ہیں۔ اور اس کے بعد خلافتِ روحانی یا خلافتِ راشدہ کا باب قائم کیا ہے۔

خلافتِ روحانی یا خلافتِ راشدہ

چنانچہ اس باب میں بھی مؤلف نے سورۃ النساء کی ۶۹ ویں آیت کو مبنیٰ بنیاد ہے اور لکھتے ہیں۔ "اس آیت مبارکہ میں روحانی وراثت اور خلافت کی وضاحت جس تفصیل سے فرمائی ہے وہ مزید کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ اور الفاظ کی ترتیب خود اس حقیقت کی شاہد ہے کہ کائنات کا حقیقی وارث

تو اللہ تعالیٰ خود ہے۔ اور زمین پر اس کے وارث خلیفے۔ انبیاء اور وصی انبیاء ہوتے ہیں۔ اور انبیاء کے خلیفے اور وصی صدیقین اور صدیقین کے وارث شہداء اور شہداء کے وارث صالحین ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت کی بھی وضاحت فرمائی کہ مسلمانوں کے یہ اچھے ساتھی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد مولف رسالہ نے چند روایات از کتب اہلسنت نقل کیں جن میں حضرت ابو بکر کو صدیق کہا گیا ہے اور انہوں نے خود کو خلیفہ رسول کہا ہے۔ چونکہ وہ روایات کتب اہلسنت سے منقول ہیں لہذا اصولی طور پر ہم ان پر بیعت نہیں کریں گے کیونکہ وہ ہمارے لئے حجت قرار نہیں پاسکتی ہیں حالانکہ ہم نے گذشتہ بیان میں معتبر کتب اہل سنت سے ہی ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہی صدیق اکبر ہیں۔ نیز قرآن مجید سے بھی ہمارا موقف پوری طرح ثابت ہے اور فریق مخالف ہمارے پیش کردہ روایات کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ جب یہ بات تسلیم کر لی جاتی ہے کہ نبی کا خلیفہ صدیق ہی ہو سکتا ہے تو پھر سوائے توصیف اور تنگ نظری کے اور کوئی وجہ نہیں باقی رہ سکتی کہ حقیقی صدیق اکبر کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اس عہدہ کا حامل قرار دیا جائے۔ شبہ تو رہے ایک طرف خود اہلسنت نے حضرت علیؑ کا صدیق اکبر ہونا تسلیم کیا ہے۔

مگر نظامی نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابو بکر نے خود کو خلیفہ رسول کا لقب سونپا جیسا کہ وہ باب مذکور کے صفحہ ۲ پر "سیرۃ الصدیق" مولف محمد حبیب الرحمن خاں شروانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "بعد از بیعت" خلیفۃ الرسول اللہ لقب ہوا۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو کہا۔ "میں رسول اللہ کا خلیفہ۔ اسی سے میں خوش ہوں"۔

تو پھر ہم یہ کہتے ہیں حق بجانب ہیں کہ یہ لقب از خود اپنا پا گیا ہے۔ نہ کہ رسول اللہ یا خدا کی طرف سے حاصل ہوا۔ منصب اقتدار پر آدمی بڑے بڑے القاب حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کوئی خوبی یا اعزاز نہیں ہے۔

اور جب یہ بات دونوں فریقوں میں طے پاگئی کہ نبی کا خلیفہ صدیق ہے اور عہدہ صدیقیت منجانب خدا اور رسول ہے تو پھر سندیافتہ صدیق ہی وارث نبی قرار پائے گا نہ کہ خود ساختہ۔

وصی رسول اللہ کی قرآن میں مزید وضاحت

اس باب میں مولف نے واقفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”آپ ﷺ ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لے کر نکلے۔ کفار آپ کے تعاقب میں تھے اس لئے راستے میں تین دن تک غارتور میں قیام فرمایا۔ اپنی ایام میں کافر ایک روز ڈھونڈنے غار کے دلانے پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا ”یا رسول اللہ کافر آرہے ہیں۔“ مگر آپ نے فرمایا۔ مجھرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔“

اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں۔ مصنف کی منقولہ عبارت پر کچھ جرح کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں اس وقت ایک انتہائی نازک مرحلہ پر ہوں مگر حق بات کو چھپانا حق تلفی ہے۔ لہذا انتہائی مغفرت کے ساتھ گزارش کر رہا ہوں کہ تمہاری بات کو تحقیق کی حد تک سمجھئے اور اسے ناگاری کی نذر نہ کیجئے عقیدت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور واقعات کا پس منظر پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا ایمان سے فیصلہ کیجئے کہ نقل کردہ عبارت کا نتیجہ کیا ہوا۔ خط کشیدہ فقرات کو بار دیگر پڑھنے کی تکلیف فرمائیے۔ اور میری گزارشات

پر غور کیجئے۔

دل بقول مصنف صاحب "کافر ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے پر پہنچ گئے" اور حضرت ابو بکر نے عرض کیا: "یا رسول اللہ کافر آرہے ہیں" یہ فقرات کچھ قابل بحث ہیں۔ اور تھوڑا سا غور کرنے کے بعد انسان مندرجہ ذیل شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۔ کیا ایسے موقع پر جبکہ دو ساتھی چھپے ہوں اور تلاش کرنے والے جائے وقوع پر موجود ہوں (جیسا کہ کفار غار کے دہانے پر تھے) دونوں میں سے کسی ایک کا بولنا مستحسن ہو گا؟

میرے خیال میں بالکل نہیں۔ کیونکہ غار میں سے آواز کے باہر جانے کا قوی امکان ہے۔ اور اس صورت میں گرفتار ہو جانے کا خدشہ ہے۔ لہذا ایسے موقع پر حضرت ابو بکر کا بولنا قطعاً نامناسب بے محل اور پُرخطر تھا۔ جو کسی صورت میں بھی ثابت قدمی کا ثبوت قرار نہیں پاسکتا ہے۔ لہذا اس واقعہ کو فضیلت کے باب میں تحریر کرنا عقلاً سلیم رکھتے ہوئے کیسے جائز سمجھا جائے؟ ایسے حالات میں مکمل سکوت کی ضرورت تھی۔ اور حضرت ابو بکر نزاکتِ موقع کو نہ سمجھ سکے۔ یہ تو خدا کا کرنا تھا کہ وہ بحفاظت رہے ورنہ اس خراسی کو تاہی سے سارا کھیل بگڑ جانے کا احتمال تھا۔

۲۔ مصنف نے دوسرے جملے میں لکھا کہ آپ نے فرمایا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔" یہ مکالمہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابو بکر خرفزدہ تھے اور اسی گھبراہٹ میں وہ بولے۔ لیکن سرکارِ رسالت کو مکمل خود اعتمادی حاصل تھی۔ لہذا انہوں نے حضرت صاحب کو تشفی دی۔ اگر بزدلی اور ڈر پوک پن کو فہرست فضائل میں جگہ مل سکتی ہے تو بڑے شوق

سے اس واقعہ کو زمرہ فضائل میں شمار کیجیے ورنہ... بس انصاف سے کام لیجئے۔
اب ایک سوال اور ہو سکتا ہے کہ اگر اس وقت بولنا بے محل تھا تو خود
حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی ڈھارس کیوں بندھائی؟ تو عرض یہ ہے کہ حضورؐ کی
حفاظت خدا کے ذمہ تھی۔ لہذا جو خدا مختصر سی مدت میں غار کے منہ پر پکڑی کے
جانے کا اہتمام کر سکتا ہے اور جانور کو مقیم کر کے اندر سے بھی دلواسکتا ہے۔
وہ چند لمحوں کے لئے دشمنوں کی قوتِ سماعت بھی موقوف کر سکتا ہے۔ دوم یہ
کہ اگر حضورؐ اپنے ساتھی کو تسلی نہ دیتے تو امکان تھا کہ وہ مزید خوفزدہ ہو
جاتے اور اس کے نتائج سنگین صورتِ حال میں برآمد ہوتے۔

اس واقعہ کے بعد مولف نے سورۃ توبہ کی آیت ۱۱۰ کا نقل کیا اور ترجمہ
یوں لکھا: ”اگر تم اس کی مدد نہ کرو۔ تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی جب اس کو
اُن لوگوں نے جو کافر تھے نکال دیا (اس حال میں کہ) وہ دو میں کا دوسرا
تھا (یعنی وہ اور اس کا ثانی) جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب اس نے
اپنے رفیق کو کہا ”عمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے“

مزید دیکھتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں چار الفاظ قابلِ غور ہیں۔ ایک
تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رسولِ خدا کے ”ثانی“ یعنی ”وصی“ کے لقب سے خطاب کیا
دوسرے جگہ یعنی ”غار“ (غارِ ثور) کا تعین۔ تیسرے فرمایا ”الصاحبہ“ تیرا
رفیق جو تیرے ساتھ غار میں موجود ہے۔ اور چوتھے فرمایا ”معنا“ میں
تم دونوں کے ساتھ۔

ہم ان چار الفاظ پر توبہ پر حال ضرور غور کریں گے۔ لیکن پہلے ہم منقولہ
آیت پر چار کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آیت مبارکہ کی ترکیب دیکھنے سے یہ
بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اندازِ گفتار کچھ ایسے طور پر ہے کہ قدرت

نے مسلمانوں کو جھجھوڑا ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ ”اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی۔“ یہ جملہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ کی مدد نہ کی۔ بلکہ یقیناً خود قدرت نے آپ کی حفاظت کی۔ اگر لوگوں نے حضور کی مدد کی ہوتی تو لانا اسلوب بیان مستحسن الفاظ کی نیدش رکھتا لیکن یہاں تو اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ ہم نے مدد نہیں کی تو کیا ہوا؟ ہم نے خود اپنے محبوب کی مدد کی جب کہ کافروں نے اسے نکال دیا۔ چونکہ کافروں سے کسی مدد کی امید وابستہ نہ تھی بلکہ ان سے دشمنی اور نقصان متوقع تھا لہذا جو مدد نہ کرنے کا ذکر آیا ہے یقیناً غیر کافروں (مسلمانوں) کے لئے ہے۔ دوم یہ ہے کہ جب دونوں غار میں تھے تو دوسرے صاحب کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے۔ تو اس حالت خوفزدگی کو جامدہ بوجی پہنایا گیا۔ اور اس بات کو علامہ تباہ دیا گیا کہ دوسرے صاحب کو خود حضور تسلیم کیا دیتے رہے۔ اصولاً اُن صاحب کو رسول کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تھی نہ کہ ہمت شکنی کا مظاہرہ۔ اور اگر یہی وضاحت کسی ”وصی نبی“ کی ہوتی ہے تو ہمارا ایسے وصی کو سلام مبارک ہو۔ ہمیں تو ایسا وصی جو حفاظت خدا اور رسول میں بھی ثابت قدم نہ رہ سکے اور ڈر پوک پن کا ثبوت دے کم از کم منجانب خدا و رسول معلوم نہیں ہوتا۔ یہ عوام و جمہور کی پسند ہے خواہ وہ اسے کوئی بھی مرتبہ دیں۔

اب ہم ان چار الفاظ کی طرف آتے ہیں جو بقول نظامی صاحب قابل غور ہیں۔ پہلا لفظ ”ثانی“ ہے۔ اس کے معنی ”وصی“ کہ لینا نظامی صاحب ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی کسی لغت میں ثانی کے معنی ”وصی“ تحریر نہیں ہیں ”ثانی“ کے معنی ”دوسرا“ اور آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے نظامی صاحب نے بھی ”دوسرا“ ہی لکھا لیکن تشریح فرماتے ہوئے ”ثانی“ یعنی ”وصی“ کے لقب کی جو

ساتھ یہ بات عام مذہبی رواج کے تحت ہے ورنہ امتی نبی کو تالی کیا دے سکتا ہے۔

منطق پیشین کی کسی حلقہ ادب میں یہ ناقابلِ فہم ہے۔ یہ نظامی صاحب کی خوشن عقیدگی کا نتیجہ ہے یا خوش فہمی کا خواب جو انہوں نے ثانی اور وصی کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ ورنہ فریق ثانی سے جو مراد ہوتی ہے وہ نظامی صاحب ہمیں سمجھا دیں۔ یا پھر یہ اشارہ وہ ہی سمجھ جائیں۔ کیونکہ اس کی وضاحت مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

دوسرا لفظ "ضار" ہے اس کے بارے میں مولف صاحب کہتے ہیں کہ "الغار" فرما کر اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی فرمائی کہ تیرا وصی وہ ہو گا جو تیرے ساتھ غار میں موجود ہے۔"

باوجود اس کے کہ "الغار" کے لفظ سے ایسی پیشگوئی کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے ہم یہاں تھوڑی جرح کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔
۱:- غار میں "وصی" بنانا عقلاً قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ جبکہ نام نہاد وصی بذاتِ خود خوفزدہ ہو اور اس کا اعتقاد تقویت پذیر نہ ہو۔ اُسے حفاظتِ خدا اور رسول پر توکلِ کامل نہ رہے۔ ہم آئینہ صفحات میں یہ ثابت کر دیں گے کہ "وصی" کو تقویٰ کی معراج حاصل ہوتی ہے اور وہ شجاع بے مثل ہوتا ہے۔

ب:- نائبِ رسولِ علانیہ بنایا جاتا ہے نہ کہ غاروں میں چھپ کر۔ اور جو انتخاب ایسے ہو کرتے ہیں انہیں سازش قرار دیا جاتا ہے۔ بھلا خدا یا رسول کو کیا ضرورت تھی کہ وہ "وصی" کا تقریر لیں کہ میری کسی کے عالم میں "غار" میں کرتے۔ ج:- چونکہ آیت سرے سے ہی تفضیلی نہیں ہے لہذا اس سے "وصالت" کا استدلال ہی سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

د:- دنیا جانتی ہے کہ جب کوئی سربراہ اپنا بیٹا کو اور بڑھپوڑتا ہے تو وہاں

اللہ فرمائے گا " تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا باتیں کی ہیں۔ " واضح ہو کہ حدیث شریف میں اصحاب کا لفظ آیا ہے۔

چوتھا لفظ "معنا" ہے یعنی ہم دونوں کے ساتھ۔ تو یہ لفظ بھی حضرت ابو بکر کے لئے کسی فضیلت کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ اگر وہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے کہ "اللہ" اُن کے ساتھ ہے تو حضور کو "عمگین" نہ ہو کے الفاظ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ چونکہ حضرت ابو بکر آنحضرت کے ساتھ تھے لہذا اُن کی طفیل ان کی حفاظت بھی سنبھالی تھی۔ چنانچہ نشفی اور گبراسٹ دور کرنے کے لئے حضور نے انہیں یاد دلادیا کہ خدا پر بھروسہ رکھیں۔ خدا باریک دیکار و نادر ہے۔

یہاں اس بات کا بیان کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ آیت سورہ توبہ میں ہے۔ یہی وہ سورہ ہے کہ جس کی تبلیغ کے لئے پہلے حضرت ابو بکر کو معز کیا گیا۔ لیکن بعد میں انہیں معزول کر دیا گیا۔ اس معزولی کی وجہ کم از کم ضرور سوچئے۔ میں تو یہ ہی سمجھوں گا کہ اگر اس میں فضائل حضرت ابو بکر واقع ہوتے تو آپ کو اس کی تبلیغ سے معزول نہ کیا جاتا۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ٹوٹ کر آیت میں کسی طرح بھی کوئی نص نہیں ملتی جس سے وصابت ابو بکر ثابت ہو سکے۔

وَسَيُرْوَىٰ رِوَايَاتُ رَسُولِ آخِرِ الزَّمَانِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 كَمَا فِي الْقُرْآنِ كَمَا فِي رِوَايَاتِ رَسُولِ آخِرِ الزَّمَانِ

عنوان بالا کے تحت مؤلف نے سورہ توبہ کی آیت ۵۵ نقل کی اور اس کا

ایسا نائب یعنی "وصی" چھوڑتا ہے۔ اپنے اختیارات اس کے سپرد کرتا ہے۔ اور اپنا چارج حوالے کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہے۔ اب وہ شخص تمام مقام ہوتا ہے۔ وہ اس کے فریض کی ادائیگی بجالاتا ہے۔ لہذا ماننا پڑتا ہے کہ تمام مقام وہی ہے جو بنیاد کو اڑان میں موجود ہے۔ اسی طرح واقعہ عیبت میں بھی ہوا۔ حضرت علیؑ کو قائم یعنی "وصی" مقرر کیا گیا۔ تمام امور سپرد کئے گئے پس دین کے معاملات میں ہدایات دی گئیں۔ جی چاہتا ہے کہ عیبت پر کچھ لکھوں لیکن موضوع سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ بس اتنا لکھنا کافی ہے کہ ہر چیز کا چارج دیا گیا۔ حتیٰ کہ بستر کی چادر بھی حوالے کر دی اور مرضات اللہ کا اختیار بھی سونپ دیا گیا۔

۱:- حضرت ابوبکر جب رسول اللہ کے ساتھ تھے تو وہ محفوظ تھے۔ کیونکہ آپ نے حکم خدا کے مطابق عیبت فرمائی اور آپ کی حفاظت خدا کے ذمہ تھی۔ لہذا غار میں وہ بالکل سلامت رہے۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ کو تلواروں کے سائے میں چھوڑا گیا۔ اور آپ ذرہ برابر خوفزدہ نہ ہوئے۔ بلکہ آپ کا ارشاد ہے کہ جس قدر مٹی نیند میں شب عیبت سویا ویسا کبھی نہ سویا۔ آپ کی استقامت کا اندازہ آپ کے فرمودہ جملہ سے ہی ہو جاتا ہے۔

تیسرا لفظ "الصاحب" ہے۔ یہ لفظ سہرا تھی کے لئے استعمال ہو جاتا ہے۔ اور اس سے کسی کی فضیلت کا معیار مقرر کرنا درست قرار نہیں پاسکتا۔ جیسا کہ بخاری شریف کتاب الحوض کی حدیث ۱۲۹۳ ص ۲۲ پر ہے۔ اس کہتے ہیں کہ حضرت صلعم نے فرمایا "حوض پر چند اصحاب بیٹھے پاس آئیں گے۔ اور جب میں ان کو پہچان لوں گا تو وہ مجھ سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا (اے پروردگار) یہ لوگ میرے اصحاب ہیں۔"

ترجمہ یوں لکھا:۔

» اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں، وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔ اور وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اُنس نے ان کے لئے پسند کیا، مضبوطی سے قائم کر دے گا اور وہ ان کے لئے خوف کے بعد بدل کر امن (کی حالت) کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہے۔
اس آیت کا نام "التَّوْبَةُ" ہے۔ اور واقعی پُر توبہ بھی ہے۔ گذشتہ آیات میں رب العزت نے وحی رسولِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین فرمایا مگر اس آیت مبارکہ میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی کہ وحی رسول اللہ کا عمل کیا ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ واقعی اس کا اہل ثابت ہو تو اس سے خالق کائنات نے تین زبردست وعدے فرمائے ہیں:۔

اول:۔ وعدہ استخلاف
دوم:۔ تمکینِ دین
سوم:۔ خوف کی جگہ امن قائم کرنا۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے کچھ منہٴ سماجت کی ہے کہ روایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے لاریب کتاب پر غور کیا جائے اور کہتے ہیں کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک جو ایک ایسا جامع دستور العمل ہے۔ جو خود خالق کائنات نے مخلوق کے لئے نازل فرمایا۔ اس کے بتائے ہوئے اصولوں اور احکامات پر وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا ابوبکر علیہ السلام اور دوسروں کو چلایا ان کا دورنا کامیاب رہا۔
اس سے پہلے کہ ہم حضرت ابوبکر کے دور پر کچھ لکھیں۔ ہم آیت کو دوبارہ

پڑھتے ہیں اور مقرر نظامی ہی کے تسلیم کردہ فریقین خلیفہ کو دہراتے ہیں۔ آیت مجوزہ سے بات بالکل صاف ظاہر ہے کہ وعدہ استخلاف کے لئے رب العزت نے مندرجہ ذیل شرط مقرر فرمائی ہے۔

۱) وعدہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو صاحبِ ایمان ہوں۔
 ۲) صراحً ہوں۔ چونکہ سنتِ الہی میں تبدیلی محال ہے لہذا مندرجہ بالا شرط کے ساتھ قدرت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ خلافت کا منصب اسی طریقہ پر عطا کیا جائیگا جس طرح کہ پہلے تھا جیسا کہ ارشاد ہے ”جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے“ اس کے بعد خلیفہ ربّانی کی یہ صفت بھی بیان کی گئی کہ ”وہ اُن کے لئے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا مضبوطی سے قائم کر دیا۔“ نیز یہ بھی فرمایا کہ اُن کے لئے خوف کے بعد بدل کر امن کر دے گا۔ اس کے بعد یہ بھی نشاندہی کر دی کہ ”وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو نہ ریکہ کرے گا وہی فاسق ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا (اور جو کوئی اس کے بعد کفر کریں، تو وہی فاسق ہیں)“

اب ہم ان تقریحات کے تحت دیکھیں گے کہ آیا حضرت ابوبکر و صی رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا حضرت علی علیہ السلام۔

خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ ایمان ہو

جیسا کہ یہ امر مسلمہ ہے کہ خلیفہ رسول کا صاحبِ ایمان ہونا ضروری ہے۔ لہذا اب ہم اقوالِ رسول کی روشنی میں یہ دیکھیں گے کہ مدارجِ ایمان میں حضرت ابوبکر اور حضرت امیر علیہ السلام میں تفصیلی شخصیت کون ہے؟ چونکہ ہم شیعیان

حیدر کرار کا یہ دعویٰ ہے کہ بعد از رسول حضرت امیر علیہ السلام کا درجہ تمام کائنات میں سب سے افضل ہے۔ لہذا اس کے نبوت کے لئے ہم فریق مخالف کی اسناد سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اور یہ بات کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے کہ ہم حضرت ابو بکر کی فضیلت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلم اول جناب امیر علیہ السلام میں اور آپ ہی نے سب سے پہلے تصدیق رسالت کر کے بارگاہ نبوی سے لقب "صدیق اکبر" حاصل کیا۔ حضرت علیؑ کے ایمان کے بارے میں کسی صحابہ کو شک نہیں۔ بلکہ امیر المؤمنین کا لفظ ان کی شان بن چکا ہے۔

اور جب بھی یہ لفظ استعمال میں آتا ہے تو بلا قرینہ اس سے مراد جناب علیؑ علیہ السلام ہوتے ہیں۔ آپ کے ایمان کے بارے میں تو حدیث صریحہ سے سارا معاملہ ہی سمجھا دیتی ہے نیز کجیہا ارشاد نبویؐ ہے: "ایمان کل سارے کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے"۔ یہ حدیث کم از کم تین معتبر کتب الہسنہ میں نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی صحت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ایمان کل کے ارشاد رسولؐ کے بعد اب کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ درجہ ایمانی میں کسی بھی شخص کو حضرت علیؑ کا ہم پلہ قرار دیا جائے۔ کتب الہسنہ میں کم و بیش تین سو روایات دیکھنے میں آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ایمان کے درجہ کمال ترین پر تھے۔ اور انہیں حضورؐ نے امام المقتدین کا لقب بھی عطا کیا تھا۔

اس کے برعکس ہم تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حسن قدر فضائل احادیث و اخبار میں حضرت علیؑ کے ہوتے ہیں حضرت ابو بکر کے نہیں ملتے۔ بلکہ الہسنہ ہی کی کتب میں بیشتر ایسی روایات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کا ایمان حضرت علیؑ کے کثر تھا نہ صرف یہ بلکہ کتب الہسنہ میں ایسی احادیث ملتی ہیں جو نقل کرنے سے رواداری باقی نہ رہنے کا خدشہ ہے ہر حال بطور نمونہ ناظرین

کے لئے صرف ایک ہی روایت نقل کر دیتے ہیں۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ تمہارے اندر
شُرکِ حیوانی کی رفتار سے بھی پرشیرہ چلتا ہے۔" بحوالہ مشہور ترین کتب اہلسنت

والتفسیر ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۵، ص ۲۲۹

وآلہ درمنثور مؤلف علامہ اہلسنت حلال الدین سیوطی جلد ۲، ص ۵۲

وآلہ کنز العمال علامہ علی متقی جلد ۲، ص ۹۹-۹۸

(واللہ اعلم بالصواب) امام بخاری

عن ازالۃ الخفا مشہور محدث اہلسنت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۱۹۹

وآلہ حیلۃ الحيوان علامہ اہلسنت دیرمی جلد ۲، ص ۲۲ و غیرہ

منقولہ حدیث جو کتب اہلسنت سے ہی نقل کی گئی اس بات کا ثبوت ہے کہ

نام نہاد "وصی" کا درجہ ایمان قدرت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق نہ تھا۔ لہذا

ہم مدعی کی گواہی کو دلیل بناتے ہوئے یہ دیکھتے ہیں۔ چونکہ آیت کے مطلوبہ معیار پر حضرت

ابوبکر حضرت علیؑ کے ہم مرتب قرار نہیں پاتے اس لئے بے شمار قوی شہادتوں کی بنا پر

حضرت علیؑ کا درجہ ایمان حضرت ابوبکر سے بلند و بالا ہے اور اختلاف کا وعدہ

حضرت علیؑ پر پورا ہوتا ہے۔

نشر اول میں غیر مناسب اور کجی ایمان
خلیفہ کا صالح ہونا ضروری ہے کے ثبوت کے بعد صفت "صالحیت"

کے بحث کا جواز تو باقی نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ جس قدر ایمانی درجہ بلند ہوگا اسی قدر

صالحیت نشوونما پائے گی۔ لیکن اتمام حجت کی خاطر ہم صرف مثبت پہلو کو زیرِ غور

لائیں گے۔ اور یہ ثابت کریں گے کہ حضرت علیؑ صالحین کے سردار ہیں۔ اور ان

سے زیادہ صالح بعد از رسولؐ کوئی شخص نہیں ہے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل روایاتِ اہلسنت اس دعویٰ کو ثابت کرتی ہیں کہ جناب
امیرالمومنین صالح المومنین تھے۔

۱۔ اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ
خدا کے پاک کے کلام میں ”صالح المومنین“ سے ”علیٰ مراد ہیں۔“
روایتِ اہلسنت:۔ آخر حرحہ البونیم و ابن ابی حاتم و المتقی فی کنز العمال و
سیوطی فی در المنثور بحوالہ ارجح المطالب مولانا عبد اللہ امرتسری باب اول ص ۲۵
۲۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ پروردگار تعالیٰ کے اس قول میں کہ
”ھو مولانا و جبیریل و صالح المومنین۔“ صالح المومنین سے
علیٰ ابن ابی طالب مراد ہیں۔

روایتِ اہلسنت:۔ آخر حرحہ بن عساکر و ابن مردویہ و السیوطی فی الدر المنثور
بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ ص ۲۵۔

چونکہ وعدہ استخلاف کے ساتھ
شرط ہے کہ اسی طرح خلیفہ بناؤں
عطا کے خلافت حسب سنت سب القمہ

کے جس طرح کہ پہلے بنائے۔ لہذا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ پہلے خلفا کیسے بنے۔ کیا
کسی خلیفہ کے لئے کسی خلیفہ جگہ پر الیکشن وغیرہ ہوا؟ بالکل نہیں۔ بلکہ خود خدا
نے تقریر فرمایا۔ اور نبی نے تعارف کرا دیا۔ موقف اہل تشیع یہ ہے کہ حضرت
علی علیہ السلام خلیفہ بلا فصل ہیں۔ اور اس بات کا اقرار ہر شیعہ جزو ایمان
سمجھتے ہوئے کلمہ کے ساتھ بھی کرتا ہے۔ اس موضوع پر علماء کرام نے بہت
کچھ لکھا ہے۔ لہذا ہمیں اس موضوع کو طویل کرنا منطوق نہیں ہے۔ ہم تو سیدھی
سی بات کرتے ہیں کہ صاحب اگر کسی بھی نبی کے خلیفہ کا انتخاب اسی طرح ہوا
جیسا کہ حضرت ابوبکر صاحب کا تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ دوسرے سے یہ کہ

کبھی کوئی صحابی بجا نشین رسول ہوا تو ہمیں بتا دیجئے۔ اگر دونوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو پھر معاملے پا گیا۔ کہ حضرت ابوبکر لوگوں کے منتخب خلیفہ تھے۔ اور صحابی لیکن حقیقی وصی رسول اللہ نہ تھے۔ اگر حضرت ابوبکر واقعی وصی رسول اللہ تھے تو کوئی کبھی معتبر قول نقل کیجئے جس میں انہوں نے خود کو وصی رسول بجانب اللہ ہونے کا تعارف کرایا ہو۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ نے ہمیشہ وصی رسول ہونے کا اعلان بر ملا کیا۔ ہم آئندہ صفحات میں ایک موازنہ پیش کریں گے جو اقوال زبانی علیؑ و ابوبکر پر مشتمل ہو گا۔ اور باطن میں خود اندازہ لگائیں گے کہ کس طرح حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا اور ان کی ذاتی رائے کیا تھی۔

ارشادِ قدرت میں یہ بات کسی خلیفہ دین کو مضبوطی سے قائم کرے گا

خلیفہ حکومت قائم کرے گا۔ مگر مضبوط بنائے گا۔ یا عالی شان فتوحات کرے گا۔ بلکہ ارشاد ہے کہ وہ خلیفہ استحکام دین کا قیام کرے گا۔ لہذا یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ خلیفہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بادشاہ ہی ہو۔ اور ریاست کے امور اس کے پاس ہوں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دین کی اشاعت میں کوئی دقیقہ فرنگداشت نہ کرے۔ دین کی نشر و اشاعت کے لئے حضرت علیؑ کی کارکردگی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ خانوادہ رسول نے اسلام کے پودے کو اپنے خون سے پر دان چڑھایا۔ اور جس قدر علوم کے دریا بہتے آج زمانہ اس کا اعتراف کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے لوگوں نے کبھی اقرار کر لیا کہ خلیفہ کو امام جعفر صادق سے کیا نسبت علوم تو سب اہل بیت سے ہی نکلے ہیں۔ (دیکھیے سیرۃ النعمان مؤلفہ شبلی نعمانی)

اور حضرت معین الدین چشتی نے یوں اقرار کیا:
 شاہ است حسین۔ بادشاہ است حسین
 دین است حسین۔ دین پناہ است حسین
 سرواڑہ داد دست در دست یزید
 حق کہ بنائے لا الہ است حسین
 اور پھر مفکر اسلام حکیم الامت علامہ اقبال نے توہیات ہی ختم کر دی

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
 اک ضرب پید اللہی، اک سجدہ شت بیری
 ذات اودر وازہ شہر علوم، زہیر فرمائش حجاز و چین و روم
 واقعہ کربلا میں دین کا قیام ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس بات کا کافی ثبوت
 ہے کہ اس قدر عظیم قربانی صرف وہی عقیدہ برحق دے سکتا ہے جو منجانب رب
 العزت ہو۔ آنت کے اگلے الفاظ اس موقف کو قومی بنا دیتے ہیں کہ خوف رکھ
 بعد ان کی حالت امن بحال سوجاتی ہے۔ واقعہ کربلا اس آنت کی تفسیر ہے۔
 اس کے برعکس جو تمکین دین و دوزخلافت ابو بکر میں ہوئی
 اس پر اظہار خیال ہم اگلے صفحوں میں کریں گے۔

خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ عابدِ کامل ہو اور مشرک نہ ہو۔
 قدرت نے یہ واضح کر دیا کہ جو اس کی جانب سے خلیفہ مقرر ہوگا۔ وہ صرف
 اسی کی عبادت کرتا ہوگا۔ اگر خلیفہ کے لئے صرف عبادت ربانی ہی ضروری ہوتی
 تو بات یہیں تک رہ جاتی کہ میرا خلیفہ میری عبادت کرے گا۔ لیکن قدرت کی
 حکمت ہے کہ آیت کو آگے بڑھایا اور ایسی شرط عائد کر دی جو دو ٹوک فیصلہ کر

عقیدوں سے بیانات معلوم کر لیں گے۔ یہ ہے سحرِ علامہ اقبال کا جس سے - (م)

دیتی ہے کہ اس کا منتخب خلیفہ شرک نہیں کرے گا۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ خلیفہ
عابد و کامل ہونے کے ساتھ شرک سے محفوظ ہو گا چنانچہ اب آسانی سے یہ فیصلہ
کیا جاسکتا ہے کہ حقیقی خلیفہ کون ہے؟ یہ بات متفق بین الفرقین ہے کہ حضرت
علی نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی بھی شرک نہیں کیا۔

اس کے برعکس حضرت ابوبکر جو ایس برس کی عمر میں اسلام لائے اور اپنی عمر کا
طویل حصہ بت برستی کی۔ یہ شرف صرف حضرت علیؑ کو حاصل ہے کہ اپنے تورہ سے
ایک طرف غیر بھی ان کے اہم گرامی کے بعد "کرم اللہ وجہہ" لکھتے ہیں۔ یہ تو تھا ان کا
محفوظ عن الشرک ہونا۔ اور عبادت کا جہان تک تعلق ہے خود آپ کا نام ہی
عبادت بنا دیا گیا جیسا کہ کتب الہدنت میں یہ حدیث ملتی ہے کہ "علیؑ کو دیکھنا
عبادت ہے۔" "علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔" "علیؑ کی محبت عبادت ہے۔" اس حدیث
کو کم و بیش بیس جگہ پر دیکھا گیا ہے۔ دیکھئے ارجح المطالبینا بیع المودۃ۔
مناقب علی وغیرہ)

روزِ خندق حضورؐ کا یہ فرمانا۔ لخدق کے دن علیؑ کی ایک ضربت ثقلین
کی عبادت سے افضل ہے۔" روایت الہدنت بحوالہ ارجح المطالب۔

یعنی صرف ایک ضربت کا یہ درجہ ہے اور باقی عبادت کیا ہوگی۔ واضح ہو
کہ ثقلین کے محیط میں عبادت ابوبکر بھی شامل ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ حضرت
ابوبکر سے اس لحاظ سے بھی افضل قرار پائے کہ آپ سے شرک سرزد نہ ہوا۔
اور آپ کی عبادت کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بعد از قبول
اسلام حضرت ابوبکر نے نہ ہی کوئی شرک کیا اور نہ ہی عبادت میں کوئی کسر اٹھا
رکھی۔ تو ہم نے الہدنت ہی کی کتب سے پچھلے اوراق میں ثابت کیا کہ آپ میں
شرک جیونٹی کی رفتار سے بھی پوشیدہ تھا۔ دوسرے آیت میں اس قسم کی

تخصیص بیان نہیں ہوئی بلکہ صاف الفاظ میں ارشاد ہے کہ میں نے ساتھ کسی کو
شریک نہ کریں گے۔

خلیفہ خدا کا انکار (کفر) فسق ہے | پس جو مندرجہ بالا شرائط پر پورا
اترنے والے خلیفہ کا منکر ہو گا
وہ فاسق ہو گا۔ جیسا کہ آیت کے الفاظ جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان
ہے۔ سے ثابت ہے۔

چنانچہ یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکر کی خلافت پنجابِ خدا نہ تھی۔ تو ان
کے دور کی کامیابی یا ناکامی پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کامیاب
دور اور اعلیٰ نظم و نسق کی حامل حکومتیں تاریخ میں عام مل جاتی ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی
دلیل نہیں ہے کہ اسے "خلافت حقہ" کا جواز مانا جائے۔ جبکہ حکومتِ دنیوی "ولایتِ
خداوندی" کا لازمہ ہی نہیں ہے۔ وہ صلت کا خاصہ "قیامِ دین" ہے اور اس ضمن
میں ہم نے گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کر دی ہے کہ دین کے قیام کے لئے جو
قرایین اہل محمد علیہم السلام نے پیش کی ہیں۔ کسی دوسرے کو یہ توفیق حاصل نہ ہو
سکی۔ جب کبھی بھی شجرِ اسلام کو آبِ پاشی کی ضرورت ہوئی۔ اہل محمد نے اپنے خون
سے اسے سیراب کیا اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

جہاد و اتفاق فی سبیل اللہ اور

حضرت ابو بکر الصديق کا بلند مرتبہ قرآن میں
منقولہ بالا عنوان کے تحت صاحب رسالہ "دھی رسول اللہ" نے لکھا ہے کہ
خدا نے صحابہ کے درجات کو بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد کیا "اور تمہارا کیا

عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے۔ تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ اور (راہِ خدا میں) جہاد کیا۔ یہ مرتبہ میں ان لوگوں سے بڑھ کر میں جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ کون ایسا ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے۔ پھر وہ اس کو بڑھاتا ہے۔ اور اس کے لئے عزت والا بدلہ ہے۔“

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں الفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کرتے ہوئے خالق کائنات نے اس حقیقت کی بھی وضاحت فرمائی کہ ایک وقت ایسا آئے گا جو لوگ صحابہ کبار کے مراتب اور درجات کے صحیح طور پر سمجھنے میں پھنس کر تفرقہ کا خواہ مخواہ موجب ہوں گے۔ پس اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ وہ صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں مال و دولت کو خرچ کیا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ ان کا درجہ ان صحابہ سے اعلیٰ و افضل ہے جنہوں نے اس فتح کے بعد خرچ کیا بلکہ اس تہ من دھن کی قربانی کو قرضِ حسنہ قرار دیا۔ اور اس کے اعلیٰ ترین بدلہ کا وعدہ بھی فرمایا۔ اس کے بعد صاحب رسالہ نے حضرت ابوبکر کی قصیدہ خوانی کی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ ”اسلام کا کوئی غرورہ ایسا نہیں جس میں حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق نے تہ من دھن کی قربانی پیش نہ کی ہو۔ اس کے بعد مولف صاحب نے ملاحوالہ جات چند روایات اپنی ہی کتب سے لکھی ہیں کہ حضرت ابوبکر نے غرورہ بدر۔ احد۔ خندق صدیب، خیبر، فتح مکہ اور تبوک میں جہاد کے فرائض انجام دیئے۔“

حسب معمول نظامی صاحب نے تمام تر شواہد کتب الہدیت سے حاصل کئے۔ جن پر جرح کرنا ہم پر لازم نہیں آتا ہے۔ قرآن مجید کے سلسلے کے مطابق

یہ بات واضح ہوگئی کہ مراتب کے لحاظ سے وہ لوگ افضل ہیں جو فتح مکہ سے پہلے جہاد میں شامل رہے۔ اور انہوں نے راہِ خدا میں خرچ کیا ان لوگوں سے جو بعد از فتح مکہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اب ہم ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ از روئے کتب اہلسنت حضرت ابو بکر کی استقامت میدانِ جہاد میں کس درجہ پر تھی۔ (میدانِ مقابلہ میں "نعرہ جیدری" کا رواج جو اس دورِ جہاد میں بدستور قائم ہے حضرت علیؓ کے جہاد فی سبیل اللہ کی واضح دلیل ہے) نظامی صاحب نے جو کچھ لکھا بلا ثبوت لکھا لیکن ہم اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ البتہ کئی کتابوں کے اقتباسات ہی نقل کریں گے۔ اور فیصلہ ناظرین کے ایمان پر چھوڑ دیں گے۔

مشہور علامہ اہلسنت حسین بن محمد دیار بکری اپنی کتاب "تاریخ انجمن" میں حضرت ابو بکر کا یہ قول نقل کرتے ہیں :-

"جب اُحد کے دن لوگ رسولؐ کے پاس سے منتشر ہو گئے (یعنی ساتھ چھوڑ گئے) تو سب سے پہلے میں (ابو بکرؓ) نبیؐ کے پاس واپس آیا تھا۔"

حضرت ابو بکر کا واپس آنا تب ہی ممکن ہو سکتا تھا جبکہ منتشر ہونے والوں میں وہ بھی شامل تھے۔ اُن کا اس بات کا اعتراف یہ دلیل ہے کہ جنگ اُحد میں آپؐ ثابت قدم نہ رہ سکے تھے۔

کئی کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جنگ حنین میں بڑے بڑے جلیل القدر اصحاب میدانِ جنگ میں قدم نہ جما سکے۔ جیسا کہ: "ان تاریخ انجمن" (۱) و "روضۃ الاحباب" (۲) تاریخ حبیب الیسر میں تقریباً ایک ہی طرز کا مضمون ہے :-

”جنگِ حنین میں سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید کے پیر اکھڑے۔ پھر باقی اصحاب و انصار چل دیئے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی قدم نہ جما سکے۔“

اور تفسیر قادری میں جنگِ حنین (جو کہ ”بیعتِ رضوان“ کے بعد ہوئی) کے موقع پر حضرت ابوبکر کی جو حالت بیان کی گئی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ تفسیر مذکورہ میں صاف لکھا ہے کہ چار حضرات یعنی حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابوسفیان بن حارث کے علاوہ تمام اصحاب میدان چھوڑ گئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ میدان نہ چھوڑنے والوں میں حضرت ابوبکر کا نام ناسی عنق ہے۔

تاریخ حبیب السیر میں مسلمانوں کے فرار کا ذکر کرنے کے بعد صاحب تاریخ مذکور رقم فرماتے ہیں :-

”پرسید کہ ابوبکر و عمر کجا بودند؟ گفت آن نیز در گوشه رفتند بودند یعنی جب یہ پوچھا گیا کہ ابوبکر و عمر کہاں تھے تو راوی نے کہا کہ ”وہ بھی کسی کونے میں چلے گئے تھے۔“ یہ روایات اس ضمن میں روشنی کے لئے کافی ہیں کہ حضرت ابوبکر کا درجہ جہاد اور مرتبہ قرآنی کیا تھا۔ اس کے برعکس یہ دعویٰ عام ہے کہ آج تک کوئی بھی اپنا یا پر لیا حضرت علیؓ پر یہ اعتراف ہی وارد نہ کر سکا کہ آپ نے کبھی بھی میدانِ جہاد سے فرار کیا یا ثابت قدمی کا ساتھ چھوڑا ہو۔ اب ہم ایک قرآنی آیت نقل کرتے ہیں۔

مغازی سے فرار کا انجام | جو فرار جہاد کے انجام کی نشاندہی کرتی ہے

”سورۃ النفال“ میں ارشادِ خداوندی ہے ”اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری طرح بھڑھو تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ۔ اور بااستثنا اس شخص کے جو قتال کے لئے ہنر کرے یا اپنے گروہ سے ملنا چاہے۔ جو شخص ان کو پیٹھ دکھائے گا۔ وہ خدا کا غضب لے کر پلٹے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ وہ برا ٹھکانہ ہے۔“ اس آیت کی روشنی میں ہر صاحبِ انصاف سے گزارش ہے کہ خود ہی فیصلہ کرے کہ جو شخص پروردگارِ عالم اور سرکارِ دو عالم کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہو اور جہاد میں ثابت قدم رہتے ہوئے عملاً تصدیقِ رسالت نہ کر سکا ہو۔ اس کا مرتبہ بلحاظ قرآنِ مبین کیا ہو سکتا ہے ؟

حضرت علیؑ کو حاکمِ مدینہ مقرر کر نیکی مصلحت

اس عنوان کے تحت مسطر نظامی نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت علیؑ کو غزوہ تبوک کے موقع پر قائم مقام مقرر کیا گیا۔ اور نظامی صاحب کے نزدیک اس تقرری کا سبب ایک حکمت اور پوشیدہ پیشگوئی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے یوں اظہارِ خیال فرمایا۔ ”چنانچہ آپ نے زندگی میں پہلی دفعہ مدینہ سے باہر جاتے وقت حضرت علیؑ کو حاکمِ مدینہ نامزد فرمایا۔ اور غزوہ تبوک جو شہ میں ہوا وہ آپ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں حضرت علیؑ کو حاکمِ مدینہ بنانے میں بھی ایک حکمت اور پیشگوئی پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ آپ یعنی حضرت علیؑ کو خلافت سب سے آخر میں ملے گی۔ اور واقعات شاہد ہیں کہ حضورؐ کے اس آخری غزوہ تبوک کے انتخاب کے مطابق ہی حضرت علیؑ کو خلفائے راشدین کے دور کی آخری خلافت ملی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتخاب میں کسی کی کیا مجال تھی جو ذرہ بھر بھی تبدیلی کر سکتا۔“

اگر نظامی صاحب کی قیاس آرائی کو مان لیا جائے کہ آخری غزوہ میں آنحضرتؐ نے جو حضرت علیؑ کو حاکم مقرر فرمایا، یہ اُن کے آخری خلیفہ ہونے کی پیشگوئی تھی۔ تو ہم اب نظامی صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کے تیار کردہ اصول کے مطابق حضرت ابو بکر کو بھی پہلی دفعہ (یعنی کسی پہلے غزوہ میں) حاکم ہونے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ تاکہ اُن کے خلیفہ اَوَّل ہونے کا ثبوت بن جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس لئے یہ شخص ایک قیاس ہے اور ایک مفروضہ پیشگوئی ہے۔ نظامی صاحب کی پیش کردہ خلافتِ راشدہ کی فہرست کے مطابق آخری خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام کی ہے نہ کہ حضرت علیؑ کی۔ اس لحاظ سے بھی یہ قیاس درست قرار نہیں پاسکتا۔ نیز

نظامی صاحب نے اس تقرری کا تعلق خلافت سے تسلیم کر لیا ہے جیسا کہ انہوں نے چوتھی خلافت کا قیاس قائم کیا۔

نسبتی حدیث اور اس کا مفہوم | اس کے بعد مصنف نے حدیث منزلت نقل کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ اس حدیث کا مقصد مفہوم صرف اتنا تھا کہ جس طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ تشریف لے جاتے ہوئے وقتی طور پر اپنے بھائی ہارون کو نبی اسرائیل پر حاکم اور اہل بیت موسیٰؑ اور اہلبیت ہارون کا محافظ مقرر کر گئے تھے۔ اسی طرح آپ بھی حضرت علیؑ کو وقتی طور پر یہ خدمت سونپ رہے تھے۔

پھر صاحب رسالہ نے حضرت علیؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہارونؑ اور علیؑ میں بعض امور میں مماثلت تھی۔ اور اُن امور میں مراتب و درجہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ قطعی نسبتوں

لے جیسا کہ خود نظامی صاحب نے آخری خلیفہ امام حسنؑ کو لکھا ہے۔

کا بیان ہے۔ حالانکہ حدیث میں لفظ منزلت ہے۔ نیز لکھا ہے کہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے خلیفہ نہ ہوتے بلکہ قوم موسیٰ کے صدیق "یوشع بن نون" و وصی موسیٰ قرار پائے۔

ہم حدیث منزلت کے بارے میں یہاں کچھ اظہارِ خیال نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جسے مسلمانوں نے بلا اختلاف تسلیم کر لیا ہے حتیٰ کہ خود نظامی صاحب نے اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ نیز جب نظامی صاحب نے اصولاً وصائت کی شرط صدیقیت مان لی ہے تو اب یہ بھی مان لینا چاہیے کہ "اُمت محمدیہ" کے "صدیق اکبر" حضرت علیؑ ہیں۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ بیان میں ثابت کیا ہے۔ اور جب حضرت ابو بکر صدیق ہی نہ تھے تو وصی رسول اللہؐ کیونکر ہوتے؟

اسی بیان میں ۲۹ پر نظامی صاحب نے لکھا ہے "حضرت علیؑ نے بھی تو کبھی اپنے آپ کو خلیفہ رسول اللہ قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی اپنے زمانہ خلافت میں آپ نے خلیفہ رسول اللہؐ کہہ کر خود کو مخاطب کر لیا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر لکھی۔ بلکہ آپ نے بھی "امیر المؤمنین" کا لقب ہی اختیار کیا۔"

اس عبارت سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جناب محمد سلطان نظامی صاحب نے یہ تکلیف ہی گوارا نہیں کی کہ قلم اٹھانے سے پیشتر وہ کچھ ذمہ داری محسوس کرتے اور شیوہ کتب نہ سہی کم از کم اپنے مسلک کی کتب پر ضرور نظر ڈال لیتے جہاں متعدد بار حضرت علیؑ نے اپنا حق خلافت لوگوں کو چنایا چنانچہ اب ہم چند امثال پیش کرتے ہیں کہ جو یہ ثابت کریں گی کہ حضرت علیؑ نے دعویٰ خلافت کیا۔

جناب امیر علیہ السلام خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے

صحیح مسلم جلد ۷ ص ۹ پر مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کو فرمایا کہ ”تم نے اپنی رائے سے بلا رضا مندی اہم اہلیت خلافت پر تسلط جمایا ہے۔ حالانکہ ہم بوجہ قربت رسول اللہ صلعم کے اپنا حق جانتے ہیں۔ (روایت اہلسنت) تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مطبوعہ مہر جلد ۲ ص ۲۰۲ پر ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کو کہا۔

”ہم اسے (خلافت کو) اپنا حق سمجھتے تھے۔ اور تم نے ہمارا

کام پریشان کر کے ہمارے حقوق پر غلبہ کر لیا پھر قرابت رسول خدا کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ابوبکر رونے لگے۔“
(روایت اہلسنت)

تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۸۱ میں باسناد جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ”امیر خلافت میں مجھ سے زیادہ کوئی مستحق نہ تھا۔“
(روایت اہل سنت)

روضۃ الاحباب جمال الدین محدث جلد ۲ ص ۷۷ پر خطبہ اول جناب امیر علیہ السلام نقل کیا ہے کہ آپ نے ابتدا کلام یوں فرمایا ”شکر ہے رب عالمین کا جس نے حق کو اپنے مقام پر لوٹایا“ یعنی جناب امیر علیہ السلام اپنے سے قبل حضرات کو حق پر نہ مانتے تھے (روایت اہلسنت) صواعق محرقة طبع مہر ص ۱۸۱ میں ہے دارقطنی روایت کی تحقیق امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ”عیرے باپ کے مگر سے اتر جا“ ابوبکر صاحب نے کہا ”آپ

نے سچ فرمایا۔ خدا کی قسم یہ تیرے باپ کا مقام ہے۔ پھر ابوبکر نے امام حسن کو لے کر اپنی گود میں بچھلایا اور روئے۔ اسی طرح مروی ہے ابو نعیم سے جیسا کہ کنز العمال جلد ۶ ص ۵۰۰ میں ہے۔ نیز دیکھئے اسعاف الراغبین۔

اسی طرح کا واقعہ ماہین حضرت عمر اور حضرت امام حسین علیہ السلام ہوا۔ حوالہ کے لئے دیکھئے :-

۱) تاریخ الخلفاء علامہ حلال الدین سیوطی ص ۹

۲) ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۵ وغیرہ۔

یہ چند حوالہ جات نظامی صاحب کے لئے کافی ہوں گے کہ حضرت علیؑ نے خود کو دعویٰ نہ کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ خود حضرت ابوبکر نے بھی حضرت علیؑ کے اس حق کو تسلیم کیا۔

نسبتی حدیث کے بیان کے بعد نظامی صاحب نے اپنی کتابوں سے فضائل ابوبکر نقل کئے، چونکہ وہ از روئے کتب اہلسنت ہیں (باوجود اس کے کہ یہ مجروح ہیں) ہم رواداری کے پیش نظر ان پر جرح نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہم اہلسنت کی کتب سے منقولہ روایات پر بحث کریں جبکہ ہم انہیں حجت ہی نہیں مانتے۔

وصی رسول اللہ — تاریخ کی روشنی میں

اس عنوان کے تحت نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کو چلانے کے لئے انسانوں کو ایک دین اور مرکز پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ ہدایت کے لئے پیغمبران مبعوث کئے گئے اور ان کی تصدیق قوم کے صدیق سے

کروائی گئی پھر قوم کی رہنمائی کے لئے شہداء کو پیدا کیا۔ اور پھر صالحین کے ذریعے منافرت و اختلاف دور کئے گئے۔ افراد قوم کو ایک مرکز ”اسلام“ پر جمع کر دیا گیا یہی قاعدہ اول تا آخر تک رہا۔ ہر نئی ایک وقت میں نبوت و امامت دونوں فریضوں کو اس میں خداوندی کے تحت بحال تار بنا رہا۔ اسی طرح صہنوار نے بھی نبوت و امامت کے فرائض پورے کئے۔ نیز انہوں نے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے ایسے شخص کو تعلیم بھی دی جو ان کے بعد فریضہ امامت و خلافت کو قرآن و سنت کے ماتحت سر انجام دے۔ چنانچہ بقول نظامی صاحب ”اس اہم فریضہ کے لئے اُن کی نظر انتخاب حضرت ابو بکر صدیق پر پڑی۔ اور اُن کی تعلیم و تربیت ہی آپ نے اس طرح فرمائی تاکہ امت مسلمہ اُن سے استفادہ حاصل کر سکے۔ اور اسلام کی نشر و اشاعت میں کسی قسم کی کوئی روک واقع نہ ہو۔“

مندرجہ بالا کلام سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ نظامی صاحب نے اہل تشیع کا بنیادی اصول ”امامت“ تسلیم کر لیا ہے۔ نیز انہوں نے یہ حقیقت بھی مان لی کہ نبی کے بعد امام اور خلیفہ کا تقرر لازمی ہے۔ اب صرف یہ اختلاف رہ جاتا ہے کہ آیا نظر انتخاب رسول اللہ حضرت ابو بکر پر پڑی یا حضرت علی علیہ السلام پر۔ چنانچہ آئندہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ یہ شرف حضرت علیؑ کو ہی نصیب ہوا۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنے بارے میں فرمایا کہ ”رسولؐ نے مجھے اس طرح پروان چڑھایا جیسے ایک پرندہ اپنے بچے کی پرورش کرتے ہوئے اسے خوراک دیتا ہے۔“ یہ روایت اس طرح سے بھی منقول ہے کہ ”رسولؐ نے مجھے ایسے علم سکھایا جیسے کوئی پرندہ اپنے بچے کو خوراک دیتا ہے۔“ اس طرح آپ کو باب مدینۃ العلم کا لقب بھی عطا ہوا۔

آپ ہی کو بابِ حکمت کہا گیا ہے۔ دنیا میں آپ ہی نے ذمہ داری سے ایسا چیلنج دیا کہ ”پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہو۔ علیؑ زمین کی نسبت آسمانوں کے راستوں سے زیادہ واقف ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ نے ایسا دعویٰ کبھی بھی نہیں کیا۔ بلکہ خود نظامی صاحب نے حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ سے یہ جملہ نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا۔ ”اگر مجھے راستے سے بھٹکا ہوا پاپاؤ تو مجھ کو سیدھا کر دو۔“ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ معصوم نہ تھے اور بھٹکنے کا اندیشہ تھا۔ جو نقص علم کی بھی علامت ہے۔ ہم آگے جیب نایب رسولؐ کی خصوصیات لکھیں گے تو اس پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ فی الحال یہی کہنا ہے کہ۔ نظامی صاحب کا یہ کہنا لگا حضرتؐ نے فریضہٴ امامت و خلافت کی بجائے اور ہی کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو تعلیم دی محتاجِ دلیل ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو تاریخ کے مطابق خود کولائقِ خلافت ہی نہ سمجھتے تھے۔

اس کے بعد جنگِ احد کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر نظامی نے ابوسفیان کے استفسار دربارہٴ ابوبکرؓ کو دلیل بنایا کہ کفار حضرت ابوبکرؓ کو رسولؐ کا وصی سمجھتے تھے۔ اور اس واقعہ کی خود ہی تردید کرتے ہوئے مسٹر نظامی نے ص ۵۷ پر لکھا ہے کہ ”بیعتِ عامہ کے بعد ایک روز جب حضرت ابوسفیان نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے مشورہ دیا تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔“ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ابوسفیان حضرت علیؑ کو مستحقِ خلافت سمجھتا تھا۔ نہ کہ حضرت ابوبکرؓ کو۔ ایک طرف تو مسٹر نظامی یہ فرماتے ہیں کہ ”وصی رسولؐ اللہ کا انتخاب من جانب اللہ ہوتا ہے۔ لہذا ابوبکرؓ بھی وصی رسولؐ اللہ از جانب خدا ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے خیال کی خود ہی تردید کرتے ہیں اور ص ۶۶ پر لکھتے ہیں کہ ”آپ کی وفاتِ حسرتِ آیات کے بعد امت میں جو ہاجرین و انصار و اہلبیت میں خلافت

کے بارہ میں مختلف خیالات و اختلافات رونما ہوئے۔ ان سب بزرگان دین نے متفقہ رائے سے اپنے اختلافات کو مٹاتے ہوئے صدیق اکبر کو اسی لئے خلیفہ اور وصی الرسولؐ منتخب کیا کہ ان کے سامنے مندرجہ بالا تمام فضائل تھے جو انہیں زمانہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نصیب تھے۔

یہ عبارت ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے انتخاب کے وقت ہر طبقہ (مہاجرین، انصار، اہلبیت) میں اختلاف تھا اور بعد میں لوگوں نے متفقہ رائے سے حضرت ابوبکر کو منتخب کیا۔ خدا کی طرف سے کوئی نقص نہ تھی حالانکہ نظامی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ وصی رسولؐ کا انتخاب خود قدرت کرتی ہے۔ نہ کہ امت۔ اس بات کو بھی آئینہ کے لئے باقی رکھتے ہیں اور ہم تاریخ سے انتخاب ابوبکر کی چند جھلکیاں ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اس کے بعد نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ بعد از وفات رسولؐ جس قدر اختلافات اور فتنے پیا ہوئے حضرت ابوبکر صدیق نے نہایت تدبیر و بردباری سے احسن طریق پر ان کو دور فرمایا۔ اور امت محمدیہ کو شاہراہ ترقی پر گامزن کیا۔

اگر تدبیر و بردباری اسی کا نام ہے کہ قصداً بضعتہ الرسولؐ کے گھر کو نذر آتش کر دیا گیا جائے، نفس رسولؐ کے گلے میں رسی باندھی جائے اور ہر آواز کو بزورِ شمشیر دبا دیا جائے تو ایسی مثالیں اس ترقی پذیر دور میں ضرور مل جاتی ہیں۔ ہم اس شاہراہ ترقی کی گامزنی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ اور پھر ناظرین کی منصف مزاجی پر یہ فیصلہ چھوڑ دیں گے کہ قرآن پاک میں خلافت اور اس کی ذمہ داریوں کی جو تفصیل آیت اختلاف میں ہے حضرت ابوبکر نے ان کو کس حد تک پورا کیا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ذرا لطف کس انداز سے پورے کئے۔

رازدارِ نبوت

اس عنوان کے ذیل میں مؤلف موصوف نے حضرت ابوبکر کے متعلق لکھا کہ وہ رازدارِ نبوت تھے۔ اس ضمن میں وفاتِ پیغمبر کا واقعہ بمطابق کتبِ السنن تحریر کیا ہے۔ اور کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے حضرت ابوبکر کو رازدارِ نبوت تسلیم کیا جاسکے۔ اس بیان پر ہم صرف دو باتوں پر اظہارِ خیال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ نظامی صاحب نے ایک موشوعہ حدیث لکھی ہے۔ ”حصون نے صحابہ کو حکم دیا کہ مسجدِ نبوی کی طرف جن لوگوں کے دروازے ہیں ان سب کو بند کر دیا جائے۔ صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہے۔“ یہ حدیث موشوعہ ہے اور خود سنی اصولِ حدیث ہی سے ناقابلِ اعتبار ہے جبکہ دروازہ صرف حضرت علی کا کھلا رکھا گیا۔ دوسری بات یہ کہ نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے خاندانِ نبوت کو تجہیز و تکفین رسول کے متعلق ہدایات دیں۔ یہ خلاف واقعہ ہے کیوں کہ معتبر شواہد تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر و عیزہ آنحضرت کے جنازہ و کفن و دفن میں شامل نہ تھے۔ جیسا کہ کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴ پر مرقوم ہے۔ اسی طرح اُم التواریخ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۹۱ پر بھی یہی بات مرقوم ہے۔

مستحقینِ خلافت

جب کہ استحقاقِ خلافت، صرف ”صدیق“ کے لئے ثابت ہے تو اُمتِ اسلامیہ میں فوراً بعد از وفاتِ پیغمبر صحابہ رسولؐ میں اختلاف کیوں پیدا ہوا؟ بقولِ نظامی صاحب صحابہ تین مختلف جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کو انہوں نے جماعتِ انصار کا نام دیا جو خلیفہ کا انتخاب عام رائے سے کرنا چاہتے تھے۔ اور حضرت سعد بن عبادہ کو نامزد کرنے کے حق میں تھے۔ دوسرے گروہ کو انہوں نے جماعت

صحابہ کا نام دیا ہے۔ جو رائے عام کے حق میں ضرور تھے لیکن نامزدگی خاندانِ قریش سے چاہتے تھے۔ (معلوم ہوتا ہے نظامی صاحب انصار کو فہرست صحابہ سے الگ سمجھتے ہیں) تیسرے گروہ کو انہوں نے خاندانِ رسالت قرار دیا ہے۔ جو حضرت علیؑ کو مستحقِ خلافت سمجھتے تھے۔

یہ گروہ بندی آخر کیوں کی گئی؟ جب کہ معاملہ طے شدہ تھا کہ ”صدیق“ ہی خلافت کا حقدار ہوگا۔؟ اس کا جواب ہم آئندہ لکھ رہے ہیں۔ ابھی آپ نظامی صاحب کے خیالات ملاحظہ کرتے جا لیئے۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں آراء میں سے درمیانی رائے کو متفقہ تسلیم کر لیا گیا اور عام اہمیت محمدیہ نے قریش کے حقِ خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتخب کر لیا۔ اصولاً جب کہ حقِ امامت ”صدیق“ کے لئے ہے تو پھر حقِ قریش یا رائے دہندگان کو انتخاب کا حق کیسے ملا؟ حالانکہ صدیق کا انتخاب خود قدرت نے کیا ہے۔ اور یہی وصی الرسول ہے۔ یہ نکتہ بھی آگے زیر بحث آئے گا۔

پھر لکھتے ہیں کہ ”حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ مقرر ہونے کی وجہ سے اسلام اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کئی ایک بہتانوں سے بچ گئے۔ آج مسلمانوں میں اس امر پر سخت اختلاف ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنی وفات کے بعد کیوں اپنے بیٹے یزید ابن معاویہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا۔ اور یہ واقعہ بھی زیر تنازعہ ہے کہ اس کی ابتدا خود حضرت علیؑ نے فرمائی۔ جب اپنی وفات کے بعد حضرت حسن کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اور اگر اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد اپنے ہی خاندان کے کسی فرد کو خلیفہ مقرر فرما دیتے۔ تو خدا بہتر جانتا ہے کہ ان کی ذاتِ مقدسہ خود مسلمانوں یا غیر مسلمین کے اعتراضات

سے محفوظ رہتی یا کیا کچھ ہوتا۔ اس مصلحت کو خدا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے تھے۔
 سچی بات منہ پر آ ہی جاتی ہے کہ یہی وہ جذبہ رقابت تھا جو لوگوں کے دلوں
 میں تھا۔ جسے خود نبی اکرمؐ نے متعدد بار لوگوں کو بتایا۔ اور آپ نے کسی حاسد کی پرواہ
 نہ کی اور علانیہ فضائل اہلبیتؑ بیان کرتے رہے۔ لوگ جلتے رہے۔ مندرجہ بالا بیان
 بھی اسی چیز کی غمازی کرتا ہے کہ لوگ یہ نہ چاہتے تھے کہ خاندانِ نبوتؐ کو خلافت
 ملے۔ لیکن چونکہ یہ منصب خداوندی تھا لہذا جسے خدا نے چاہا عطا کر دیا۔ حکومت
 غصب کر لی گئی۔ لیکن ولایت جو عطیہ قدرت تھا برقرار رہی اور رہے گی۔

حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو خلیفہ مقرر کیا۔ لہذا یہ واقعہ بقول نظامی صاحب
 زیر تنازعہ آگیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو مخبر بشوری مقرر کیا تو کوئی
 اعتراض نہ کیا کیونکہ تم آئی دلائل سے یہ بات ثابت کر دیں گے کہ موروثی خلافت غیر
 مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ سنتِ ربانی ہے۔ ابھی تک اہم صفتِ نظامی صاحب کی باتیں
 سن رہے ہیں اور اپنی سنانے کے لئے راہ سبھا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد نظامی صاحب نے کہا کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی
 جو برا سے عطا ہے۔ اس کا جواب ہم آئندہ تحریر کریں گے۔ پھر انہوں نے حضرت
 ابوبکرؓ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں انہوں نے عوام سے کہا ہے کہ ”لوگوں نے
 اُن کو امیر بنا دیا ہے۔ اگر وہ راست راہ پر قائم رہیں تو اُن کی مدد کی جائے اور
 اگر کھٹک جائیں تو اُن کی اٹھائی کر دی جائے“ یہی خطبہ از خود ایک دلیل ہے
 کہ حضرت ابوبکرؓ عوام سے رہنمائی حاصل کرنے کی احتیاج رکھتے تھے۔ حالانکہ خدائی
 خلق اور دنیا کو مہربانیت دیتے ہیں لیتے نہیں۔ انہیں اپنے منصب سے ہٹانا یا برقرار
 رکھنا سوائے خدا و رسول کے کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

اس کے بعد مولف نے لشکرِ اسلام کی روانگی فتنہ وارتداد کے استحصال کے

ایوب میں حضرت ابوبکر کے دور کے واقعات بمطابق عقیدہ خود تحریر کئے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے کہ (۱) وعدہ استخلاف (۲) تکلیف دین (۳) خوف کی جگہ امن قائم کرنا مندرجہ بالا تمام فرائض کو جس خوش اسلوبی اور جرأت ایمانی سے حضرت ابوبکر نے ادا فرمایا وہ کسی اور صحابی رسولؐ کی سوانح میں نظر نہیں آتا۔

کیا واقعہ ایسا ہوا؟ اس کا جواب ہمارے بیان میں ملاحظہ کیجئے عطر نظامی نے اپنے رسالہ کو استدعا کے عنوان پر ختم کیا۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا مطہ محمد سلطان نظامی صاحب کے رسالہ ”وصی رسول اللہ“ کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا۔ جہاں ہم نے مندرجہ سمجھا عین مقام پر اس کا وضاحتی جواب لکھ دیا۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ سوکھ کے ہر اختلافی پہلو کو زیر بحث لایا جائے۔ اور اس پر محقق لیکن کم از کم کافی حرج ضروری جانتے لیکن چونکہ عنوان وہی رکھے گئے جو منقودہ رسالہ میں تھے لہذا ہم موضوع سے نہ ہر طرف سکے اور اپنا اظہار خیال آزادی و بے باکی سے نہ کر سکے۔ اس لئے اب ہم بطور صفائی اپنا بیان بدرجہ ناظرین کرتے ہیں۔

گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور

اظہار خیال

فریقِ مخالف نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ کہ ”وصی رسول اللہ“ کا تعین خود خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ اور سورۃ النساء کی آیت ۶۹ کے مطابق یہ امر فریقین میں مستم قرار پایا کہ ”وصی رسول اللہ“ اُمت کا ”صدیق“ ہوتا ہے۔ ہم نے ”وصی رسول“ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین خود خالق کائنات نے فرمایا کہ اب میں انتہائی معتبر اور ناقابل ازکار شواہد سے یہ بات ثابت کی کہ صدیق اُمت محمدیہ جناب امیر علیہ السلام ہیں۔

اب ہم دوسرے رخ پر روشنی طوالتیں گے اور ثابت کریں گے کہ حضرت

ابریکے ”صدیق“ کیوں نہیں ہیں۔ اوشیعہ انہیں وصی رسول اللہؐ کن وجوہات کی بنا پر تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ وجوہ کثیر کے چند وجوہات درج ذیل ہیں :-

وجہ اول دعوت ذوالعشرہ

قریبی عزیزوں کو چنانچہ امت مبارکہ کے حکم کے مطابق تبلیغ رسالت کا آغاز اقربین سے ہوا۔ دعوت ذوالعشرہ کا انعقاد کیا گیا۔ اور حکم خدا اقربین کو مدعو کر کے پیغام حق سنایا گیا۔ حاضرین دعوت پر یہ علائقہ واضح کیا گیا کہ آج جو نصرت خدا اور رسولؐ کا اقرار کرے گا۔ وہی خدا کے رسولؐ کا وصی ہوگا چنانچہ علمائے فریقین کا اتفاق ہے کہ اس دعوت پر سب سے پہلے حضرت علیؑ علیہ السلام نے بیعت کیا۔ اور اس تصدیق میں کسی نے بھی حضرت علیؑ سے سبقت حاصل نہ کی۔ چنانچہ کتب السنن میں مضبوط اسناد کے ساتھ ارشاد پیغمبروں مرقوم ہے۔

”تحقیق یہ (علیؑ) میرا بھائی۔ میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں پس اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو“

فی کنز العمال جلد ۶ ، ص ۲۹۶ ، سنن ۱ ، ص ۳۹۷ حدیث ۶۰۰۸ اور ۶۰۵۶
 سنن مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۱۱ اور ص ۲۳

سن تاریخ حبیب السنن مطبوعہ ممبئی جلد ۱۱ الجزء الثالث ص ۱۶
 فی تفسیر معالم التنزیل ابوالفراء البغوی مطبوعہ مصر (برہان شیعہ تفسیر خازن) جلد ۱ ص ۱۵

(۱) تاریخ المحقق فی احوال البشر، ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد ۱ ، ص ۱۱۹
 نیز اسے ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ، البرقعہ اور سیوطی وغیرہ

نے لکھا ہے۔

نیز دیکھیے غیر مسلمین مورخین کی کتب لایا لوجی فرام محمدؐ ایضاً قرآن مولفہ

ڈیون پورٹ ص ۱۵۱ میر و زانیہ میر و زورشپ پچھروم ص ۱۵۱ مولانا ماسٹر کارلائل ۔
رسالت کا بگ کے اس اعلان کے بعد یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح
آپ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اسی طرح وصاوت علی علیہ السلام کا بھی خود ہی اعلان
فرمایا۔ اب جو بھی رسالت محمدیہ کو تسلیم کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وصاوت علیویہ
کو بھی مانے۔ "اقربین" کے لفظ پر غور کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ
بہر حال حضرت علیؑ حضرت ابو بکرؓ کی نسبت آنحضرت کے زیادہ قریبی تھے۔

اس کے برعکس ایسی کوئی حدیث حضرت ابو بکرؓ کی شان میں وارد نہیں ہوتی
ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی آپ کو اپنا "وصی" یا "خليفة"
فرمایا ہو۔

وجہ دوم۔ شرک | جس طرح کہ نبی اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی
پاکبازی اور شرافت و صداقت سے گذرتا ہے
حتیٰ کہ اس کے دشمن بھی اس کے کردار و افعال پر حروفِ دھرنے کی جرأت نہیں کر
سکتے اسی طرح نائبِ نبی کی زندگی بھی انہیں خطوط کی تابع ہونا ضروری ہے۔ یعنی
ہمارے ایمان کے مطابق جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اس کا وصی بھی معصوم
ہے۔ اور اصول بھی یہی ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی ساری زندگی میں کبھی بھی شرک نہیں کیا۔
اب وصیؑ رسولؐ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جو شرک سے محفوظ ہو۔ کیونکہ شرک کو نہ
صرف اسلام میں نجاست کہا گیا ہے بلکہ ظلمِ عظیم ہے۔ اب حیاتِ مرتضوی اور
تاریخ ابو بکر دونوں ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت بر علیؑ کے بارے میں تمام اہل اسلام
کا اتفاق ہے کہ آپ نے زندگی میں کبھی بھی غیر خدا کی پرستش نہیں کی۔ اس کے برعکس
جب ہم حضرت ابو بکرؓ کی زندگی کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے ان کا اسم

تشریح زیر بحث آجوتاہے کہ قبل از اسلام آپ کا نام ہی "عبدالکعبہ" تھا۔ یعنی "کعبے کا بندو" جو ان کے عقیدہ معبودیت "کعبہ" کی عثمائی کر بلا ہے۔ اور اس بات سے تو کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے قبل از اسلام بت پرستی کی۔ تو اس لحاظ سے یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ایک شخص جو یا لیں برسین غیر اللہ کی تصدیق کرتا رہے وہ اس شخص سے کبھی افضل نہیں ہو سکتا جس نے دنیا میں سب سے پہلا کام دیدار رسول کیا ہو۔ اور ساری زندگی کسی غیر خدا کے سامنے نہ جھکا ہو۔ بلکہ ولادت کعبۃ اللہ میں ہو اور شہادت مسجد میں۔

وجہ سوم :- اعلان پیغمبر

گو نظامی صاحب نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وصالت رسول مخصوص ہوتی ہے لیکن دوسری جانب مسلک اہلسنت کے مطابق محض عوام کے منتخب "خلیفوں" کو رحمت ثابت کرنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ رسول خدا پر واضح فرما کر نہیں گئے کہ ان کا خلیفہ کون ہو گا۔ بلکہ یہ چیز عوام پر ہی چھوڑ دی گئی۔ لیکن ایسے عقیدے ہی کے لوگوں کی کتب سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے کہ اعلان نبوت کے وقت سے وقت رحلت تک متعدد بار حضرت علی کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ہر وہ لفظ بزرگان وحی ارشاد فرمایا جو مفہوم خلافت کے لئے مناسب تھا۔ یعنی "وصی" "مولى" "وارث" اور "خلیفہ"۔ علاوہ ان میں اپنا ہارون بھی قرار دیا۔

اس کے برعکس ہمیں کوئی مستند حدیث ایسی نہیں مل پاتی کہ آنحضرت نے حضرت ابو بکر کو کبھی کسی ایسے لفظ سے متعارف کر وایا ہو۔ جو جامع معنی خلافت زیریں تن کھتا ہو۔ باوجود اس کے کہ مسٹر نظامی نے اپنی کتب سے کئی روایات فضائل ابو بکر میں نقل کیں۔ لیکن کوئی ایک بھی ایسی حدیث پیش نہ کر سکے جس سے اس بات کی تائید ہو سکے کہ رسول مقبول نے حضرت ابو بکر کو خود "وصی" یا "خلیفہ" فرمایا ہو۔

ہارون عیسیٰ

جیسا کہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سفر تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جناب امیرؑ کو عورتوں اور بچوں میں خلیفہ مقرر کیا گیا۔ اس پر حضرت علیؑ نے خدمت رسولؐ میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میری خلافت عورتوں اور بچوں تک محدود ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ ”تیری منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی مویشی سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ دیکھئے ان صواعق محرقة امام ابن حجرؒ کی مطبوعہ مصر ص ۸۷ (۲) ازالۃ الخفا والی اللہ عارث دہلوی ص ۵۰۵ (۳) صحیح بخاری جلد ۱۰ باب فضائل اصحاب النبی مناقب علی حدیث ۹۰۳ (۴) صحیح مسلم جز السالغ باب فضائل علی (۵) مستدرک احمد بن حنبل جلد ۱۷ باب مشکوٰۃ باب مناقب علی حدیث ۵۸۲۶۔

اس فرمان رسولؐ سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ کو نبوت چھوڑ کر یہ وہ منزلت حاصل ہے جو بھی حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔ نظامی صاحب نے اس حدیث کے بیان میں چند باتیں تحریر کیں جو حضرت ہارونؑ اور حضرت علیؑ میں یکساں نہ تھیں۔ لیکن انہوں نے منزلت کے لفظ پر غور نہیں فرمایا۔ نیز انہوں نے جو یہ لکھا کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ نہ تھے۔ از روئے قرآن غلط ہے۔ اور یوشع بن نونؑ اسی صورت میں وصی بنائے گئے تھے جبکہ حضرت ہارونؑ نے وفات پائی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفر تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے عارضی طور پر خلیفہ چھوڑ گئے تھے۔ انہیں غور کرنا چاہیے کہ وقتی طور پر خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑنا کوئی ضروری نہ تھا جبکہ کسی جنگ اور سفر پر جاتے ہوئے پہلے کبھی مدینہ میں کسی اور کو خلیفہ نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ منشاء رسولؐ کو ہی تھا کہ لوگوں کو آپ کے

خليفة کا علم ہو جائے۔ اور پھر لفظ ”بعدي“ ”میرے بعد“ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مولا علی کی منزلتِ باروق عارضی یا وقتی نہ تھی بلکہ رسول کے بعد بھی جناب امیر اسی منزلت پر رہیں گے۔ جو سلب نہیں ہوگی۔

مشہور تفسیر اہل سنت ابن کثیر ص ۵۳ پر ہے کہ حضرت ابوبکر کو سورہ برات کی تبلیغ سے معزول کر دیا گیا پس جب حضرت ابوبکر واپس آئے تو عرض کیا کہ حضور میرے بارے میں کوئی خبر نازل ہوئی ہے؟ فرمایا ”نہیں“ یہ حکم ہوا ہے کہ سورہ برات کی تبلیغ یا میں خود کروں یا وہ مدد کرے جو میرا ہلبیت سننے ہو۔“

چنانچہ اس کام پر حضرت علی کو مامور کر دیا گیا۔ اور اس موقع پر آنحضرتؐ نے خلافت جناب علی کا اعلان یوں فرمایا۔

”علی مجھ سے ہے وہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے۔ میرا وارث“ اور میرا ”خليفة“ ہے۔ میرا ہلبیت اور میری امت میں میرے بعد“ دیکھئے روایتِ اہلسنت حلیب السیر مطبوعہ بیہی جلد ۱ ص ۲۱۳

حضرت سید الانبیاء کے فرمان میں لفظ ”بعدي“ یعنی ”میرے بعد“ اس امر کا مقتضی ہے کہ حضرت علی کو رسول کے بعد خلیفہ تسلیم کیا جائے۔ لفظ ”وصی“ اور وارث بھی اس امر کے مؤید ہیں۔

اس واقعہ پر تھوڑا سا غور کر لینے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ”وصی“ رسول کون ہے؟ اگر حضرت ابوبکر واقعی وصی رسول ہوتے تو یہ ارشاد حضرت علی کی بجائے حضرت ابوبکر کی شان میں ہوتا۔ نیز یہ اس بات کو بھی ثابت کر دیتا ہے کہ حضرت ابوبکر اہلبیت میں شامل نہ تھے۔

وجس چہارم :- حدیثِ ظہیر
 حضرتؐ آخری حج سے واپسی پر جب
 مقام خم غزیرہ پہنچے تو سورہ مائدہ کی
 یہ آیت نازل ہوئی۔ "اے رسولؐ! اس (پیغام) کو پہنچا دیجیے جو آپؐ کی جانب آپؐ
 کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کو نہیں پہنچایا۔
 (اُن لوگوں سے اللہ آپ کو بچائے گا۔"

۱۔ یہ حکم جو رسولؐ کو پہنچانے کے لئے ہدایت کی جارہی ہے اشارہ ہے کہ سورہ
 الم نشرح کی آیت یعنی جیب آپؐ فارغ ہو جائیں تو مقرر کر دیجئے (کی طرف)
 نیز اس حکم کا آخری جملہ ظاہر کرتا ہے کہ رسولؐ کو اس پیغام کے پہنچانے میں
 کچھ لوگوں سے خطرہ تھا۔

چنانچہ قرآن مجید کے اس اہم ترین حکم (جس کے نہ پہنچانے سے رسالت کو
 خطرہ ہے) کی تکمیل کے لئے رسولؐ نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کے سامنے (جو
 حاجی تھے) ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضرت علیؑ کو ان تمام مخلوقات کا مولا
 قرار دیا جس کے آپؐ خود مولا ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا "پس میرا اس کا میں مولا
 ہوں تو یہ علیؑ اس کا مولا ہے" رسولؐ خدا کا یہ فرمان مندرجہ ذیل کتب المہنت
 میں موجود ہے :-

۱) منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسولؐ "لذاب صدیق حسن بھویالی
 دہلحدیث) ص ۱۱۱ (۲) مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳ مناقب علیؑ فصل ۳
 حدیث ۵۸۳ (۳) جامع ترمذی باب مناقب علیؑ ص ۶۱ (۴) مطالب السؤل
 شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی ص ۵۵ (۵) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹
 (۶) تفسیر دارالمنثور سیوطی جلد ۲ ص ۲۵۹ (۷) سر العالمین امام غزالی
 مقالہ رابعہ ص ۹ (۸) مدارج النبوت عبدالحق محدث دہلوی جلد ۲ ص ۵۲

(۱) شواہد النبوة مولانا جامی ۲۰۵۷ (۱۰) تاریخ الخلفاء سیولٹی۔

امام ابن حجر مکی نے صواعق مرقومہ ص ۲۵ پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

رسولؐ لکھانے اپنے خلیفہ میں حضرت علیؑ کو مولانا
قراردینے سے پہلے خود مولانا کا مطلوب معنی بھی

لفظ مولانا کی تشریح

سمجھا دیا۔ فرمایا۔ کیا میں تم لوگوں کی جانوں پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا
ہوں؟ ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ نے عرض کیا "بے شک" تو حضورؐ نے فرمایا جس
کی جان پر اس سے زیادہ میں صاحب اختیار ہوں۔ پس علیؑ اس کی جان پر اس
سے زیادہ صاحب اختیار ہے۔ یہ معنی سمجھانے کے بعد پھر ارشاد فرمایا "میں جس کا
مولانا ہوں اس کا علیؑ مولانا ہے" دیکھیے کتاب "ینابیع المودۃ" مصنف مفتی اعظم
قسطنطنیہ محمد سلمان حنفی بلخی جلد ۱ ص ۱۵۱

لہذا ثابت ہوا کہ مقصود پیغمبرؐ علیؑ کو "حاکم" قرار دینا تھا۔ اور جو لوگ لفظ

"مولانا" کے معنی دوست کرتے ہیں وہ درست نہیں۔

مردی ہے کہ جب حضرت علیؑ کو مولانا قرار دیا گیا تو اسی وقت صحابہ میں مشہور

صحابی رسولؐ حضرت عثمان بن ثابت نے حضرت علیؑ کی شان میں قصیدہ پڑھا۔

یہ قصیدہ علامہ اہل سنت سبط ابن الجوزی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الخواص الامتہ"

میں رقم کر لیا ہے۔ اس میں یہ اشعار قابل غور ہیں۔

"پس رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا "اے علیؑ کھڑا سو جا۔ پس تحقیق میں نے

تجھے پسند کیا۔ بعد کے لئے امام (پیشوا) اور "ہادی"

پس رسولؐ نے تمام مخلوقات کو تھوپڑ کر اس (پیشوا) اور ہادی کے منصب

کے لئے حضرت علیؑ کو مخصوص کیا۔ انہی کا نام "وزیر برادر رکھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حسان بن ثابت صحابی رسولؐ نے مولانا کے معنی "امام"

”ہادی“ وزیر پیغمبر کے سامنے بیان فرمائے اور حضورؐ نے تردید نہ کی۔ اگر پیغمبر کا منشا ضمن ”دوست“ قرار دینا ہوتا تو حضورؐ فوراً اصلاح فرما دیتے۔ لہذا حدیث کی تیسری قسم، ”تقریر رسول“ کے مطابق مولائے معنی دوست ثابت نہیں ہوتے۔

حضرت عمرؓ کی مبارکبادی | خطبہ رسولؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو یوں مبارکباد پیش کی۔

”مبارک مبارک، آپ کو اسے فرزند ابوطالب، اگر آپ نے ایسی صبح اور ایسی شام کی (یعنی آج کا دن آپ کے لئے ایسا آیا) کہ آپ میرے مولا ہوتے اور تمام مومن مرد اور تمام مومن عورتوں کے مولا ہو گئے۔“
حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ مشکوٰۃ باب مناقب علیؓ اور سر العالمین امام غزالی مقالہ رابعہ ۹ میں موجود ہیں۔ بقول حضرت عمرؓ ”مولا“ کا مقام جناب امیرؓ کو اسی روز حاصل ہوا تھا پہلے نہیں۔ حالانکہ حضرت علیؓ مومنین و مومنات کے دوست تو شروع ہی سے تھے۔ لہذا مولائے معنی دوست کے نہیں۔ بلکہ جانوں پر صاحب اختیار حاکم ہے۔ یعنی بعد از رسولؐ منصب ہدایت پر نائز مخلوقات کا امام اور پیغمبر کا نائب۔

علامہ سبط ابن جوزیؒ نے تذکرہ خواص الودع کے حوالہ پر مولا کے معنی دوست لکھنے کی بجائے تحریک کیا ہے کہ یہ لفظ ”مولا“ حضرت علیؓ کی امامت کے اثبات اور آپ کی اطاعت قبول کرنے کے بارے میں نص صریح ہے۔
امام غزالی نے حضرت عمرؓ کے الفاظ ”مبارک مبارک“ کو تسلیم و رضا و تحکیم

لہ جو بات رسولؐ کے سامنے کی جائے اور آپؐ منہ نہ کریں اصول حدیث میں اسے جائز مانا جاتا ہے اور ایسی حدیث اس قسم میں بیان کی جاتی ہے۔

تحریر کیا ہے۔ (دیکھئے سہر العالمین و کشف غانی الدارین مقالہ الرابعہ ص ۹)
 مولانا کا اعزاز حضرت علیؑ کو محض زبانی عطا نہ کیا گیا بلکہ عملاً
 خود سرکار رسالت نے جناب امیر علیہ السلام کے سر مبارک
 پر دستار باندھ کر اپنا ولی عہد مقرر فرمایا۔ یہ دستار بندی ثابت کرتی ہے کہ آپ نے
 حکم خدا ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کے جلسہ عام میں اعلان و صیانت علیؑ فرمایا۔ حوالہ
 کے لئے ملاحظہ ہوں کنز العمال جلد ۵ ص ۶۱، ریاض المنزہ فی مناقب الحسنہ
 جلد ۲ ص ۲۱۵ وغیرہ۔

حشر فہری کا واقعہ تصدیق حدیث غدیر ہے

حدیث غدیر کی صداقت کو تا سیدنا زور خور قرآن مجید میں صریحاً موجود ہے۔
 سورہ معارج ۲۱ رکوع ۷۱ میں ارشاد ہے کہ ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا
 جو منکروں کے لئے واقع ہونے والا ہے۔ کوئی شخص اس کو روکنے والا نہیں چنانچہ
 مشہور علامہ الحدیث نواب صدیق حسن بھوپالی اپنی تفسیر فتح البیان جلد ۱ ص ۱۶۸
 پر یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث غدیر جب اطراف میں پھیل گئی تو حشر بن نعمان
 فہری خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا۔ اور حضورؐ سے یوں کلام کیا ”یا محمد! آپ نے ہم
 لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے کا حکم دیا۔ ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے
 نماز پنجگاتہ کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا
 حکم دیا۔ وہ بھی ہم نے قبول کیا۔ پھر آپ نے حج اور اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے کا حکم
 دیا۔ وہ بھی ہم نے قبول کیا۔ اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ آپ نے اپنے چچا
 کے بیٹے (علیؑ) کے بازو کو بلند کر کے اس (علیؑ) کو تمام سالوں پر فضیلت دے دی۔
 اور آپ نے کہہ دیا کہ ”جس کا میں مولا ہوں اس کا علی (بھی) مولا ہے۔“ یہ حکم آپؐ

کی جانب سے ہے یا اللہ کی جانب سے؟
 حرت کی یہ گفتگو سن کر حضرت رسول خدا کی آنکھیں غضب سے سرخ ہو گئیں۔
 اور حضور نے فرمایا "قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ حکم اللہ کی
 جانب سے ہے۔ میری جانب سے نہیں۔" حضور نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا تو حشر
 کھڑا ہو گیا اور یہ کہتا ہوا چلا کہ "جو کچھ محمد کہتے ہیں اگر حق ہے تو اسے اللہ ہم
 پر آسمان سے پتھر بھیجے یا کوئی اور دردناک عذاب پہنچا" راوی کا بیان ہے کہ "پس
 قسم خدا کی حشر اپنی ازلی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ نے اسے آسمان سے پتھر مارا جو
 اس کے سر پر لگا اور وہ ڈبر سے نکل گیا۔ حشر وہیں مر گیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
 حشر فہمی توحید و رسالت کا تامل۔ نمازی، صحتی، روزہ دار مسلمان تھا عربی
 اس کی ماوری زبان تھی۔ اس نے "مولانا" کے معنی دوست نہیں سمجھے اسی لئے کہا کہ "آپ
 نے علی کو تمام انسانوں پر فضیلت دے دی" اور آنحضرت نے بھی اس کے بیان کردہ
 مفہوم کی تردید نہ فرمائی۔ بلکہ اللہ کی قسم کھا کر فرمادیا کہ "یہ حکم مجانب اللہ ہے"
 اور تین مرتبہ تاکید فرمایا۔ لہذا ثابت ہوا کہ مولا کے معنی دوست مقصود نہ تھے۔
 بلکہ "حاکم" تھے جسے حشر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

قرآن مجید حدیث غدیر کا مصدق ہے

رسول مقبول کوئی بات اپنی طرف سے خدا سے منسوب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ
 کی عصمت و لہارت کا ذمہ خود پروردگار نے ان پر زور و الفاظ میں کی ہے۔
 "اگر رسول کسی بات کو یوں ہی ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اسے دامنِ مائتہ
 سے پکڑ کر اس کی رگِ بمان کاٹ ڈالتے۔" قرآن مجید ۶۳-۶۶
 اس بیان کی روشنی میں جب ہم غدر کرتے ہیں تو حضرت علی کی ولایت کا حکم

منجانب اللہ مکمل طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حشر نے وضاحت چاہی تو آپؐ نے صاف الفاظ میں اس حکم کو اللہ سے منسوب کر دیا۔ اور وہ معتب ہوا۔ اور خدانے رسولؐ کے ارشاد کی نفی نہ کی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ حکم ربانی تھا اور اس حدیث کی تصدیق آیت شکرہ بالا سے ہو جاتی ہے۔

خطبہ غدیر میں الفاظ ”وصی“ اور ”خليفة“

علمائے اہلسنت تسلیم کرتے ہیں کہ اعلان ولایت علیؑ کے بعد سورۃ المائدہ کی یہ آیت اتری کہ ”آج میں نے مکمل کسے دیا تمہارا دین اور تم پر پورا کر دیا اپنی نعمت کو اور میں راضی ہوا کہ اسلام تمہارا دین مانا جائے“ اس تکمیل دین و اتمام نعمت پر خوش ہو کر سرکار رسالتؐ نے لغوی لکیر بلند فرمایا تو شہرہ رسو بن رسولؐ حضرت مسلمان عالمیؑ نے کسے ہو کر رسولؐ کیا۔ یا رسول اللہؐ! کیا یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔

”بے شک علیؑ اور میرے قیامت تک کے اوصیاء کی

شان میں نازل ہوئی۔“

پس حضرت مسلمانؑ نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے انہیں بیان فرمادجئے کہ

وہ اوصیاء کون ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔

”اُن کا اول علیؑ ہے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور

میرا خلیفہ ہے۔ پھر حسنؑ پھر حسینؑ اور پھر حسینؑ کی اولاد میں سے لو ہوں گے۔“

ملاحظہ ہو مفتی اعظم اہلسنت والجماعت علامہ محمد سلیمان قندوزی - حنفی۔

نقشبندی کی تصنیف کردہ کتاب "ینابیع المودۃ" جلد ۱ ص ۱۵۱
لفظ وصی کے استعمال کا مزید ثبوت دیکھئے مروج الذہب مسعودی برصغیر
تاریخ کامل جلد ۱ ص ۷۷، شواہد النبوة مولانا جامی ص ۱۶۲

مندرجہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوا کہ مقام خم غدیر پر رسولؐ نے حضرت
علیؑ کو دوست کے معنی میں نہیں بلکہ وصی و خلیفہ کے معنی میں "مولا" فرمایا کہ
دستار ولی عہد ہی باندھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان کے حاکم ہونے پر مبارکباد پیش
کی تھی۔ اور حضرت کے انکار و ولایت پر عذاب نازل کیا گیا تھا۔ نیز اسی موقع پر
حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک بارہ اوصیاء کی خبر بھی دے دی تھی۔

یہ ایک ایسی وجہ ہے جس کی بنا پر حضرت علیؑ کو "وصی" تسلیم کے بغیر چارہ
نہیں۔ زمانہ رسالت میں حضرت ابوبکرؓ کو ایسا موقع پیش نہ آسکا۔ کہ یوں لاکھوں
کے اجتماع میں دستار ولایت باندھی جاتی۔ اور قصائد خوانی ہوتی۔ اور
اکابرین ہدیہ مبارکباد پیش کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ کو "وصی" تسلیم نہ کرنے
کی یہ بھی وجہ ہے کہ زمانہ پیدائش

وجہ پنجم: "سُنَّتِ الْاٰلِیِّہِ"

سے لے کر آج تک کسی بھی نبی کا ولی عہد و جانشین اُن کا کوئی مسر یا سالا
یا کوئی بڑھادوست یا صحابی مقرر نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ بیٹا یا بھائی وغیرہ ولی عہد
ہوا ہے۔ اللہ کی سُنَّتِ ناقابل تبدیل ہے۔ لہذا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت
خلافتِ اٰلِیِّہِ قرار پاتی ہے۔ ہر نبی کا وصی معصوم مقرر کیا گیا ہے لیکن

حضرت ابوبکر معصوم نہ تھے۔ نیز تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اصحاب کی ایک جماعت نے منتخب کر کے تخت نشین کرایا۔ جیسا ہم آئندہ تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ حالانکہ دیگر انبیاء کے اوصیاء کے لئے کوئی انتخاب کنندہ جماعت قائم نہ کی گئی۔ اور نہ ہی کوئی انتخاب مندر کیا گیا۔

ہم نے گذشتہ اوراق میں چند روایات از کتب اہلسنت نقل کی ہیں جو حضرت ابوبکر

وجہ ہمتشہم "جہاد"

کے مغازی سے فرار پر کچھ معلومات فراہم کرتی ہیں۔ لہذا میدان جنگ سے مفور از روئے قرآن مجید نہ ہی صدیق قرار پاسکتا ہے اور نہ ہی وصی۔ اب رہا یہ سوال کہ لوگ کہتے ہیں حضرت ابوبکر ہر جنگ میں نبرد آزما رہے تو ان کی خدمت میں ایک گزارش ہے۔

اگر حضرت ابوبکر عنذوات میں جہاد فرماتے

گزارش یا چیلنج

رہے تو یقیناً کچھ کفار ان کی تلوار سے واصل جہنم ہوئے ہوں گے۔ لہذا ازراہ مہربانی کسی بھی معتبر تاریخی حوالہ سے ہمیں ان لوگوں کے نام بتادیئے جائیں جو حضرت ابوبکر کے ہاتھوں کام آئے۔ ورنہ ان صاحب کی معرکہ آرائی پر ہم کو غلط فہمی ہی رہے گی۔

حضرت ابوبکر کو صدیق نہ تسلیم کرنے کی بڑی دیریر سے کہہ سیکڑہ طاہرہؓ

وجہ ہفتہم: غضب بتولؑ

ان پر راضی نہ تھیں۔ بلکہ سخت غضبناک تھیں۔ آپ کا عالی مقام کسی سے بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ کیا کائنات میں کسی کو بھی یہ شرف نصیب ہوا کہ جب کبھی بھی جناب بتولؑ

خدمتِ والدِ گرامی قدر میں حاضر ہوتی حضورِ خود استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور فرمایا کرتے کہ فاطمہؑ میرے ردل کا ٹکڑا ہے جس نے اسے راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا جس نے اسے غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔ اور رسولؐ کا غضب خدا کا غضب ہے۔ یعنی میں پر بھی جناب فاطمہؑ غضبناک ہو گئیں وہ غضبِ خدا ہے اور غضبِ خدا کبھی بھی سدیق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ابھی ہم کتبِ اہلسنت ہی سے ثابت کرتے ہیں کہ جناب سیدہ حضرت ابوبکر پر ناراضی تھیں لہذا خدا بھی خوش نہ ہو گا۔ اول پھر عہدہ صدیقیت کا جواز کیا باقی رہ جائے گا۔ ۶

شروطِ خلافت از روئے قرآنِ حکیم

خليفة الله وصى رسول الله کے لئے قرآن مجید حسب ذیل معیار مقرر

کرتا ہے۔

شروطِ اول

خليفة برحق کا لقب خدا خود فرماتا ہے

اور وہ اجتماعی نہیں ہوتا

ارشادِ خداوندی ہے کہ "جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک "خليفة" بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو زمین پر ایسے کو خليفة بناتا ہے جو اس میں فساد و خونریزی کرے۔ بناتا ہے تو ہم کو بنا کہ ہم تیری بیجو و تقدیس کرتے ہیں۔ تیری حمد کے ساتھ۔ خدا نے فرمایا تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں اور آدم کو اسماء بنا دیتے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور ان سے

پوچھا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان ناموں کو بتلا دو۔ فرشتے بڑے تیزی
 ذات پاک ہے۔ جو تو نے ہمیں بتلا دیا اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ تحقیق تو سبھی
 بڑا جاننے والا ہے اور مصلحتوں کو پہچانتے والا ہے۔ پھر حضرت آدمؑ کو حکم دیا گیا کہ
 ان کے نام بتلا دے۔ پھر جب آدمؑ نے فرشتوں کو ان کے نام بتلا دیئے تو خدا نے
 فرشتوں سے فرمایا: کیوں؟ ہم نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سب
 مخفی چیزیں تم کو معلوم ہیں۔ اور جو کچھ تم اب ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم ہم سے
 چھپاتے تھے وہ تم کو سب معلوم ہے۔ (پہلی سورۃ البقرہ رکوع ۳)

بیان قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو خدا نے خلیفہ مقرر کیا
 اور انہیں علم لدنی عطا فرما کر فرشتوں پر فوقیت بخشی۔ فرشتوں جیسی مخلوق کے
 اجتماع و مشورہ کو مسترد کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ شرط عبادت کو بھی نامنظور فرمایا اور
 علمی فضیلت کو معیارِ خلافت قرار دیا۔ جب معصوم و پاک فرشتوں کے اجماع کو
 قبول نہ کیا گیا ہو تو غیر معصوم انسان کیسے اجماع کر کے کسی کو خلیفہ بنا سکتے ہیں۔
 پس قرآنی حکم کے تحت خلیفہ کے تقرر کا حق صرف خدا ہی کو ہے۔

چنانچہ اس شرط کے مطابق اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کا
 تقرر بجانب رب العزت ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں واقعہ غدیر خم ایک ایسی
 دلیل ہے جس کا رد کرنا ناممکن ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر کو چند لوگوں
 نے خلیفہ مقرر کیا۔

صحیح بخاری پہلی کتاب المناقب
 باب فضل ابوبکر لعبدالنبیؓ ص ۱۰۰ پر ہے

حضرت ابوبکر خلیفہ کیسے بنے؟

”ام المؤمنین نبی بنی عائشہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ ”سخ“ میں تھے (مسجد نبوی سے تقریباً ایک میل دور ہے) عوالی کے ایک گائل میں عمرؓ آپ کی خبر سنی کہ کھٹے ہوئے اور کھنٹے لگے اللہ کی قسم حضورؐ مرے نہیں حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ عمرؓ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم میرے دل میں ابھی آتا تھا کہ اللہ آپ کو اس بیماری سے ضرور صحت یاب کرے گا۔ اور آپ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں قلم کریں گے۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور انہوں نے اندر جا کر آنحضرتؐ پر سے کپڑا اٹھایا آپ کو بوسہ دیا۔ کھنٹے لگے مہینے کے عرصے میں ماں باپ آپ پر فلا آپ زندگی اور موت دونوں حال میں اچھے اور پابگیرہ ہیں۔ قسم ہے اسی پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ آپ کو موت کا مزہ نہیں چکھائے گا۔ پھر باہر نکلے اور عمر سے کھنٹے لگے قسم کھانے والے ذرا تامل کر۔ جب ابوبکر نے بات کرنا شروع کی تو عمر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اللہ کی تعریف و ثنا بیان کی۔ پھر کہا لوگو! دیکھو اگر کوئی محمدؐ کو پوجتا تھا تو محمدؐ مر چکے۔ اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے۔ کبھی مرنے والا نہیں۔ اور ابوبکر نے سورۃ الزمر کی آیت پڑھی۔ ”اے پیغمبرؐ تو بھی مرنے والا ہے وہ بھی مرے گا اور محمدؐ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے کی پیغمبر گذر چکے ہیں کیا وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم اپنی ایلچیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایلچیوں کے بل اسلام سے پھر جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ کا شکر کرنا اسے کو شکر کا بدلہ دے گا۔ لوگو! تم جین مار کر رونے لگے۔“

۱۔ صحابہ کرام کا حضورؐ کی وفات پر رونانا ثابت ہے۔ پھر شیعوں کا رونانا موجب اعتراض کیوں ہے؟ اور میت پر رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے“ والی حدیث کی کیا حقیقت رہ گئی؟

اور انصار سب سعد بن عبادہ کے گھر اکٹھے ہو گئے۔

بنی سعدہ کے چھتے میں اور مہاجرین سے کہنے لگے اب ایسا کرو کہ ایک امیر
ہماری قوم کا رہے اور ایک تمہاری قوم کا ڈولوں مل کر حکومت کریں۔ انصار کی خسیس
سُن کر ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ بن جراح وہاں پہنچے۔ حضرت عمر نے رات کرنا چاہی۔
لیکن ابوبکر نے کہا ذرا خاموش رہو۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے۔ میں نے جو اس وقت
ابوبکر سے پہلے بات کرنا چاہی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ایک عمدہ تقریر سوچ رکھی
تھی۔ میں ڈرتا تھا کہ ہمیں ابوبکر اس کو بیان نہ کر سکیں لیکن ابوبکر نے باتیں شروع
کیں تو نہایت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ انہوں نے انصار سے یہ کہا کہ امیر تو
ہم ہی یعنی قریش کے لوگ رہیں گے۔ تم لوگ وزیر اور مشیر ہو سکتے ہو۔

حباب بن منذر نے کہا "ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ ایک امیر
ہمارا ہوگا اور ایک تمہارا۔"

حضرت ابوبکر نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا ہم امیر رہیں گے تم وزیر ہو۔ کیونکہ
قریش کے لوگ سارے عمرت میں شریفین خاندان اور ان کا ملک یعنی مکہ عمرت کے بیچ
میں ہے۔ تو ایسا کرو تم کو اختیار ہے کہ یا تو عمر سے بیعت کر لیا ابو عبیدہ بن جراح سے"

حضرت عمر نے یہ سُن کر کہا "واہ آپ کے ہوتے ہوئے تو ہم آپ کی بیعت کریں
گے۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب میں افضل ہیں۔ اور آنحضرت کو آپ سے ہم سے

سلو عمدہ تقریر کا پہلے ہی سوچ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سارا واقعہ اتفاقاً نہ تھا۔

بلکہ طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا۔

زیادہ محبت تھی۔ اخیر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ماتھ تھا ما۔ اُن کی بیعت کی۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ اب ایک شخص کہنے لگا تم نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ انہیں تباہ کرے۔

عزور طلب امور

روایت بالا کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور قابل عزور ہیں :-

(۱) حضرت ابوبکرؓ تیمار دار می رسولؐ میں شامل نہ تھے اور وقت وفات اپنے مکان کو تشریف لے گئے تھے۔ نیز آپؐ کی تجہیز و تکفین میں بھی شامل نہ ہوئے۔ بلکہ بقول صحیح بخاری مقینہ نبی ساعدہ میں اقتدار کی پچھلے چل دیئے۔

(۲) خلافتِ حضرت ابوبکرؓ منصوص من اللہ و رسولؐ نہ تھی۔ اگر وہ خدائی خلیفہ ہوتے تو سلیقہ میں جانے اور وہاں جھگڑا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

(۳) اگر حضرت ابوبکرؓ منصوص خلیفہ ہوتے تو حضرت عمرؓ یا ابوعبیدہؓ کی بیعت کا تذکرہ نہ کرتے بلکہ اپنا حقِ خلافت بیان کرتے۔ اور اس حق کی تائید میں نصوصِ خلافت پیش کر کے لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے۔

(۴) خلافت کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا استحقاقِ خلافت بطورِ فردِ خاندانِ قریش کیا۔ جبکہ خاندانِ قریش کے سردار قبیلہ "بنی ہاشم" کو اس بارے میں کوئی خبر نہ دی گئی۔ اگر خلافتِ قریش کا حق تھا۔ تو پھر بنو ہاشم کو اس معاملہ میں نظر انداز کیوں کیا گیا۔ اُن سے رائے کیوں نہ لی گئی۔

(۵) خاندانِ رسالت میں سے کسی بھی فرد کو اس اہم ترین مسئلہ میں حق رائے دی نہ دیا گیا۔ بلکہ یہ سارا معاملہ اس طریقے سے خود ہی کر لیا گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ میت رسولؐ کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر ہندو نشینی کا فیصلہ کرنا کیوں ضروری تھا تو لوگ جواب دیتے ہیں کہ یہ حالات کا تقاضا تھا کہ پہلے امیر کا انتخاب کیا جائے کیونکہ بیرونی طاقتوں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ اگر یہ شبہ درست قرار دیا جائے تو میں ہر عاقل فرد سے سوال کروں گا کہ ایسے حالات میں ”دار الحکومت“ کو چھوڑ دینا کیا سیاسی یا اخلاقی لحاظ سے مستحسن ہو گا؟ جبکہ خطرات ہر سو متوقع ہوں، یقیناً نہیں۔ مرکز کو ایسے میں خالی کر دینا بعید از دانش ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ امارت کا مسئلہ مندرجہ بالا وجہ کے باعث نہ فرین رسولؐ سے ضروری تھا بالکل غلط ہے۔ اگر ایسا تھا تو اسے مرکز میں رہ کر حل کرنا بھی ضروری تھا۔ یہ کہ دار السلطنت سے دور جا کر۔ کیونکہ دار الحکومت کو خالی پا کر دشمن بڑی آسانی سے اپنے منصوبہ کو کامیاب بنا سکتے تھے۔

لہذا مندرجہ بالا بیان سے یہ بات پابہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت ابو بکر کو لوگوں نے خلیفہ بنایا تھا نہ کہ وہ منجانب خدا تھے۔ جبکہ حضرت علیؑ کو جناب رسولؐ مقبول نے ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد اصحاب کی موجودگی میں حکم خدا تاج خلافت پہنایا اور خود حضرات شیخین نے آپ کی بیعت کی مگر بعد از رسولؐ اسے توڑ ڈالا۔

شرط دوم: خلیفہ یا امام عالم علم لدنی ہوتا ہے

شرط اول کے ذیل میں ہم نے از روئے قرآن مجید تحریر کیا ہے کہ جب فرشتوں نے اپنی عبادت طلبہ کے خلاف الہیہ پر حق جانا چاہا تو اللہ نے طرفین سے (فرشتوں اور آدم سے) علمی فضیلت کا

امتحان یا جس میں آدمؑ کامیاب ہو گئے۔ پس ثابت ہوا کہ جو بزرگ علمی لیاقت و فضیلت میں سب سے اعلیٰ ہو گا وہی خلیفۃ اللہ۔ امام التاس اور وصی رسول اللہ ہو سکتا ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بعد از رسولؐ سب سے بڑے عالم لدنی و فاضل و قاضی شریعت محمدؐ تھے۔ چنانچہ رسالت مآبؐ نے آپؐ کو "علم کا دروازہ" حکمت کا باب" جیسے القاب بخشنے۔ خود جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے "مجھ سے سوال کرو۔ قسم ہے خدا کی جس کی بابت پوچھو گے میں تم کو خبر دوں گا۔ اور مجھ سے قرآن شریف کی بابت پوچھو اللہ کی قسم میں ہر ایک آیت کو جانتا ہوں۔ کہ آیا وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ میدان میں یا پہاڑ پر۔" (تفسیر القرآن جلد ۱ ص ۱۸۴ اہل سنت راجح المطالب)

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ "مجھ سے آسمانوں اور زمینوں کی بابت پوچھو۔ میں جانتا ہوں۔ اگر میں چاہوں تو لیس اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر ایسی کروں کہ کئی اونٹوں کا بوجھ ہو جائے۔ اور اگر میسر واسطے فرسٹ بچھا یا جلتے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت کے فیصلے توریت سے دوں اہل انجیل کے فیصلے انجیل سے اہل زبور کے زبور سے اور اہل قرآن کے قرآن سے۔ اللہ کی قسم کوئی ایسی آیت نہیں جو جنگل میں یا بحر میں یا میدان یا پہاڑ یا چٹان زمین میں یا آسمان رات میں یا دن میں اُتری ہو اور میں نہ جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس کی شان میں نازل ہوئی۔" (روایت اہل سنت مطالب السؤل ص ۳۳)

حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ "اگر علیؑ نہ ہوتا تو عمر ممالک ہو جاتا" اور جب حضرت عمرؓ حضرت علیؑ سے پوچھتے تو ان کے جواب سے خوش ہو جاتے اور فرماتے

”تیرے بعد یا علیؑ خدا زندہ نہ رکھے۔“ (ارجح المطالب ب۔ اہلسنت)
 حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میرا دشمن بھی دین کے معاملات
 میں مجھ سے استفقاء کرتا ہے۔“ (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ روایت اہلسنت)
 رسول خداؐ نے فرمایا کہ ”میرے بعد ساری امت سے زیادہ عالم علیؑ ہے۔“

(منتخب کنز العمال حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲)

ام المؤمنین جناب ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ”علیؑ
 قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ جب تک یہ دونوں جوہن کو شہر پر
 نہ آجائیں ہرگز جہانہ ہوں گے۔“ (طبرانی ابن مردویہ۔ دلیلی کثر العمال۔

ارجح المطالب۔ صواعق محرقة ص ۳۱)

جناب امیر علیہ السلام کا یہ مقام ہے کہ خود اصحاب ثلاثہ ہمیشہ آپ کے
 قضایا کے محتاج رہے۔ اور آپ کی ذی علمی کا اعتراف کرتے رہے۔ لہذا ثابت
 ہوا کہ بعد از رسول حضرت علیؑ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ اس لئے وہ شرط دوم
 کے حامل ہوتے ہوئے خلیفہ برحق ہیں۔

علم البکر | ہمیں افسوس ہے کہ کتب اہل سنت میں جس قدر احادیث
 دربارہ علم جناب امیر علیہ السلام ملتی ہیں کسی دوسرے صحابی
 کے لئے نہیں ملتیں۔ نیز حضرت ابوبکر کے علمی مرتبہ کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل
 روایات سے بخوبی کر لیں گے جو کتب اہلسنت ہی سے نقل کی جا رہی ہیں:-

قبضہ بن ذویب سے روایت ہے کہ میت کی نانی ابوبکر کے پاس
 میراث مانگنے کو آئی۔ ابوبکر نے کہا اللہ کی کتاب میں تیرا کچھ حصہ نہیں۔ نہ میں نے

رسولؐ سے اس بات میں کوئی حدیث سنی ہے۔ تو جاہ میں لوگوں سے پوچھ کر دریافت کروں گا۔ ابو بکر نے لوگوں سے پوچھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا میں اس وقت موجود تھا۔ میرے سامنے رسول اللہؐ نے نانی کو پہلے (چھٹا) حصہ دلوایا ہے ابو بکر نے کہا اور بھی کوئی تمہارے ساتھ ہے جو اس معاملے کو جانتا ہو تو محمد بن مسلم انصاری کھڑے ہوئے اور یسما مغیرہ بن شعبہ نے کہا تھا ویسا ہی بیان کیا۔ ابو بکر نے چھٹا حصہ اس کو دلایا۔

(روایت اہلسنت کشف المعطاء عن کتاب الموطا۔ میراث الیوم ص ۵۰۴ وازالہ الخفاء جلد ۲ ص ۲۳۱ الحجۃ البالیہ ص ۱۴۶ یسوا عن حمزہ ص ۱۷۱) ابو عبیدہ نے فضائل میں ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے ابو بکر سے اللہ کے فرمان ”وفا کہتہ و آبا“ کے معنی پوچھے گئے۔ تو اس نے کہا۔ کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائے۔ میں اللہ کی کتاب میں کچھ کہوں جو نہیں جانتا ہوں۔“ (تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۱۱۵) حضرت ابو بکر باوجود خلیفہ کھلوانے کے شک میں رہے کہ خلافت کس کا حق ہے اور میراث چھو بھی دیکھتی ہے نا واقف تھے۔

(روایت اہلسنت بحوالہ تاریخ طبری جلد ۱ ص ۵۲) ان حالات میں جب کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت علیؑ کا علمی درجہ حضرت ابو بکر سے بلند ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ابو بکر کو حضرت علیؑ پر فوقیت دی جائے۔ اور انہیں باوجود فقدان شرط علم لدنی کے وصی رسول مان لیا جائے۔

خلیفۃ اللہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع بھی ہوتا ہے

خلیفہ ربانی نہ صرف عالم و فاضل ہوتا ہے بلکہ اس کا شجاع ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ ”پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے تم پر حکمرانی کے لئے اس کو پسند کیا ہے۔ اور مال و دولت میں نہیں تو علم میں اور جسم میں اس کو زیادتی بخشی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑا واسع اور علیم ہے۔“ (پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۲۷)

اس ارشاد کا سیاق و سباق یہ ہے کہ اللہ نے حضرت طالوت کو بادشاہ بنایا تو بنی اسرائیل نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ طالوت کو مال و دولت میں ہم پر فوقیت نہیں ہے۔

لہذا اس موقع پر بھی اللہ نے جمہوری رائے مسترد کرتے ہوئے علم و جسامت کو معیارِ نیابت قرار دیا۔ اور لوگوں کا اجماع اور شورے خدا نے پسند نہ کیا۔ پس ثابت ہوا کہ امورِ الہیہ میں نہ اجماع کی ضرورت ہے اور نہ ہی شورے کی احتیاج بلکہ خلیفہ خداوندی کے لئے علم و شجاعت ضروری ہے سو جناب علی علیہ السلام میں یہ شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس لئے وہ خلیفہ رسول اللہ ہیں۔ تمام علماء کرام شیعوہ و سنی کا اتفاق ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیعہ خدا ہیں۔ یہ درجہ کسی اور صحابی رسول کو نہیں ملا۔ آپ کی شجاعت مسلم ہے اور کبھی بھی اس صفت میں اختلاف نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے برعکس حضرت ابوبکر حضرت علی سے زیادہ شجاع نہ تھے۔ آپ کو رسول اللہؐ نے کراغیر فرار کے القاب عطا کئے۔ دیکھئے مسند احمد بن حنبل، کنز العمال۔ روضۃ الصفا۔ ارجح المطالب۔ نیامیع المؤدۃ۔ ترمذی وغیرہ۔ لیکن حضرت ابوبکر کے متعلق کتب اہل سنت میں ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میدان کارزار میں اکثر ثابت قدم نہ رہ سکے کچھ روایات ہم پچھلے صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔ ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل اور یہی۔

خصائص نصائی صلا اور از التہ الخفاء شاہ ولی اللہ محدث ص ۶۹ پر ہے کہ حضرت ابوبکر نے جنگ خیبر میں شکست کھائی۔

غزوہ تبوک کے بعد وادی الرمل میں عرب لوگ اکٹھے ہونے لگے تو اور مدینہ منورہ پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ جناب سرور دو عالمؐ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر روانہ کیا۔ مگر وہ بہت مسلمانوں کو قتل کروا کر شکست کھا کر واپس آئے۔۔۔۔ (دیکھئے تاریخ حبیب السیر معارج البقیۃ روضۃ الصفا) ”جنگ خندق کے موقع پر حضرت ابوبکر نے باوجود فرمان رسول خدا کے دشمنوں کی خبر لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور استغفر اللہ پڑھ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت حذیفہ یمانی دشمنوں کی خبر لائے۔“

دیکھئے علامہ اہل سنت کی تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی جلد ۵ ص ۸۵ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۹۲ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۶۹ کنز العمال جلد ۵ ص ۲۶۹۔

ان واقعات کی موجودگی میں اس نتیجہ پر پہنچنا بالکل آسان ہو جاتا

ہے کہ حضرت علیؑ کو شجاعت میں حضرت ابوبکرؓ پر فوقیت اولیٰ حاصل تھی
اس لئے وہ وصی رسولؐ برحق ہیں۔

شرط چہارم

”ظالم“ خلیفۃ اللہ و وصی رسول اللہ نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ برحق کے لئے ضروری ہے وہ ظالم نہ ہو۔ جیسا کہ اعلانِ قدرت
ہے کہ ”جب ابراہیمؑ کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا۔ اور انہوں نے ان
کو پورا کر دیا تو خدا نے راضی ہو کر فرمایا کہ تم تمہیں لوگوں کا امام بنانے والے
ہیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا ”اور میری اولاد میں سے؟“ فرمایا ”ہاں۔ مگر سچا۔ ایہ
عہد ظالموں کے لئے ہرگز نہیں ہوگا۔“

حضرت خلیل اللہ، جبرئیل و نبی صدیق تھے۔ مگر اللہ نے آزمائش کے
بعد انہیں درجہ امامت بخشا۔ اور قانون باندھ دیا کہ ظالم امام نہیں ہو سکیں گے
بلکہ عادل اور معصوم نائب ہوں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہوا۔ اور حضرت اسماعیلؑ
بن ابراہیمؑ میں الامت و نبوت جاری کی اور اصر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں
خانان بنی ہاشم میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت و امامت
عطا کی اور ان کی ذریت طاہرہ میں سے حضرت علیؑ سے لے کر حضرت امام کبیرؑ
تک بارہ امام معصوم سادات پیدا کر کے ان کو امامت عطا کی۔ جن کی امامت کا
تقریباً ہر مومن قائل ہے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ معصوم نہ تھے اس لئے وہ امام بھی
قرار نہیں پاسکتے۔ اور یہ بات ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ شرک ظلمِ عظیم ہوتا ہے۔ لہذا

کوئی بھی فرد جس نے زندگی کے کسی حصہ میں بھی شرک کیا ہو۔ وہ عہدِ خداوندی کا استحقاق نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابو بکر چالیس سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ اور حضور نبی اکرمؐ نے آپ کی شہادتِ ایمان دینے سے بھی گریز فرمایا جیسا کہ اہل سنت کی کتاب کشف المعطاء عن کتاب الموطا ص ۳ پر ہے۔ ابوالنضر سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے شہدائے اُحد کے لئے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں جن کا میں گواہ ہوں“ حضرت ابو بکر نے کہا: ”یا رسول اللہؐ کیا ہم ان کے بھائی نہیں جیسے وہ مسلمان ہوئے ویسے ہم مسلمان ہوئے اور جہاد کیا ہم نے جیسے انہوں نے جہاد کیا“ آپ نے فرمایا: ”ہاں مگر معلوم نہیں میں نے تم کو کیا کرو گے“ تو رونے لگے۔ اور فرمایا: ”کیا ہم زندہ رہیں گے آپ کے بعد۔۔۔“ (بخاری کتاب المغازی و اقصری عشرہ احد ص ۱۰۳)

دوسری طرف حضرت علیؑ کے بارے میں ارشادِ پیغمبرؐ ہے کہ ”علیٰ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ۔ یا اللہ بھیر دے حق کو اور جہدِ صریح علیؑ کے ساتھ“
کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۷ حدیث ۲۹۴۷۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب المناقب السہ جلد ۷ ص ۱۲۹)

یہ حدیث امیر علیہ السلام کی عصمت و طہارت کے لئے نصِ جلی ہے۔ نیز خلافتِ ثلاثہ کو باطل قرار دینے کے لئے کافی و وافی ہے۔ کیونکہ بمطابق قرآن رسول اکرمؐ جناب امیر علیہ السلام کی ہر حرکت ”حق“ ہے۔ لہذا ان کا مقابل یقیناً باطل ہوگا۔ ”حق“ خاصہ عصمت و طہارت ہے اور باطل فسق و ظلم ہے۔ معصوم و طاہرِ حق نیابتِ رسولؐ ہے اور ظالم فاسق و مشرک مردود ہے۔

شرط پنجم

شرط خلافت خاندانی وراثت ہے نہ کہ جمہوری

تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے نائب منصوص من اللہ تھے اور ہر نبی کا وارث اس کے خاندان سے بھائی یا فرزند وغیرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ کسی بھی نبی یا رسولؐ کا جانشین امت نے اجماع سے کسی صحابی کو خود منتخب کیا ہو۔ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم النبیینؐ تک موروثی خلافت رہی۔ جیسا کہ اکثر آیات قرآنیہ اس کی تائید میں ہیں۔

۱۸ "وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ" یعنی اس کی ذریت میں نبوت و کتاب رکھ دی۔
(تغذیبہ ص ۲۷)

۱۹ اس اور سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث ہوا۔

۲۰ اس اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارونؑ کو وزیر بنایا۔

چنانچہ ان نصوص کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خلافت خاندانِ نبوت کا ہی حق ہے لہذا وصی الرسول کے لئے لازم ہے کہ وہ خاندانِ رسالت کا فرد ہو۔ اسی لحاظ سے قرابتِ رسولؐ میں حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ پر فوقیت حاصل ہے بلکہ از روئے قرآن المجیم (آیہ مباہلہ کی روشنی میں) حضرت علیؑ کو نفسِ رسولؐ کا مقامِ خاص حاصل ہے۔ جو کسی بھی دوسرے شخص کو نزل سکا۔

واضح ہو کہ مستقیقہ بنی ساعدہ خلافتِ کبھی میں خلافت کا مستحق خاندان

قریش کو سمجھا گیا تھا۔ اور انصار کا دعویٰ امارت محض اس بنیاد پر نہ مانا گیا کہ وہ قبیلہ قریش میں سے نہ تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاندان رسولؐ کے استحقاق کو مسلمان اُس وقت بھی تسلیم کرتے تھے۔ اور اس کا ثبوت ہم نے گذشتہ بیان میں شرط اول کے ذیل بمطابق صحیح بخاری لکھ دیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کو قرابت رسولؐ کا جو درجہ حاصل ہے اس کی اہمیت مندرجہ ذیل احادیث سے ظاہر ہو جاتی ہے۔
 (۱) "اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔"
 (۲) "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔"

(۳) "اے علیؑ تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے۔"
 اگر اتنا قرب کسی اور بزرگ کو جناب سرکارِ دو عالمؐ سے تھا تو ظاہر کر دیجئے اور نہ مان لیجئے۔ کہ رسولؐ مردوں میں سے سب سے زیادہ علیؑ کو محبوب رکھتے تھے اور عورتوں میں فاطمہؑ کو۔ اور یہ گواہی ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ نے دی ہے۔

یہاں کہ "آخا نرا" میں آیت قرآنی رقم کی گئی کہ اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے حق ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ مجرمین ناپسند کریں ۱۱۱۔ چنانچہ قرآن مجید سے حق وراثت خاندان رسولؐ کے لئے ثابت ہے۔ اب لوگ اسے پسند کریں یا نہ کریں۔ اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ باقی جو مسطر نظامی نے "مستحقین خلافت" کے عنوان میں یہ لکھا کہ "اگر اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اپنے ہی خاندان کے کسی فرد کو خلیفہ مقرر فرمادیتے تو خدا بہتر

جانتا ہے کہ ان کی ذات مقدّس خود مسلمانوں یا غیر مسلمین کے اعتراضات سے محفوظ رہتی یا کیا کچھ ہوتا۔ اس مصلحت کو خدا اور اُس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ نے خلافت کا وارث اپنے خاندان کے افراد کو حکم خدا بنایا۔ اگر ان برگزیدہ انبیاء پر اعتراضات کئے جاسکتے ہیں تو پھر آنحضرتؐ کے لئے بھی یہ کوئی انوکھی بات نہ ہوتی لیکن چونکہ وصی کا انتخاب ہی خدا کی جانب سے ہوتا ہے لہذا یہ اعتراض براہِ راست خدا پر ہوگا۔

اگر خاندان کے افراد صالح و نیک سیرت ہوں تو ان کی وراثت کا حق تلف کر لینا ظلم ہے۔ کیونکہ خود قرآن مجید میں ہے کہ "جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کی اولاد بھی ان کے نقش قدم پر چلتی ہے تو ہم ان کے مراتب و درجات میں ان کی ذریت کو شریک قرار دیتے ہیں"۔

پس یہاں اعتراض مردود ہے کہ خاندانی وراثت رسولؐ کے لئے باعثِ تعرض ہوتی جبکہ خود حضرت ابوبکر کو صرف "خاندان قریش" کے فرد کی حیثیت سے خلیفہ بنایا گیا۔ معترض اب بھی ایسا اعتراض کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ رسولؐ نے اپنے خُسر کو..... ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ وارث رسولؐ خاندان رسولؐ کا فرد ہوتا ہے۔ جیسا کہ سنت الہیہ ہے۔ اور جناب رسولؐ اکرمؐ کا وصی بھی آپؐ ہی کے اہل بیت کا کوئی فرد ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی حضرت علیؑ معیار

مطلوبہ پر مطابقت رکھتے ہیں۔

علاوہ دیگر شرط کے ہم نے اوپر صرف پانچ معیار خلافت از روئے قرآن مجید رکھے۔ اور ہر معیار پر حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ کا مختصراً موازنہ بڑی ناظرین کیا۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنا آپ کے اذہان و قلوب کا کام ہے کہ وارثِ رسولِ مقبولؐ کون سی ہستی ہے؟

احادیثِ رسولِ امین میں خلفاءِ برحق کی نشاندہی ان کی تعداد اور اسماءِ مبارک

حضرت محمدؐ نے اپنے خلفاء اور ان کی تعداد کا ذکر کئی مرتبہ فرمایا اور انہی کو ”ائمہ“ اور ”امراء“ اور ”اصیاء“ ارشاد فرمایا۔ یہی ہے کہ قرآن مجید میں صحیح ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اہل سنت مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ پارہ ۱۱ سورہ مائدہ میں ارشاد پروردگار ”وَلِعَثْنَا مَنْهُمْ اثْنَيْ عَشَرَ نَفِيسًا“ کی تفسیر حاشیہ پر یوں مرقوم ہے۔ ”ایک عہد اس امت سے تھا کہ رسولؐ جو بعد پیدا ہوں۔ ان کی مدد کرو۔ اس کے بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفاء کی اطاعت کرو۔ یہ مذکورہ بارہ سرداروں کا یہاں فرمایا۔ اسی اشارہ کو حضرت نے بتایا ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ قوم قریشی“ محدث اہل سنت شاہ عبدالقادر دہلوی کی تفسیر ”موضع القرآن“ کی مندرجہ بالا عبارت سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ رسولؐ نے خلفاء کی تعداد بارہ بتائی تھی بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان بارہ خلفاء کی اطاعت فرض ہے۔ بارہ

خلفاء کے متعلق احادیث حسب ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیے :-

۲۸۶

(۱) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۲ کتاب الاحکام ص ۹۹ حدیث

(۲) صحیح مسلم مع شرح نووی (عربی) مطبوعہ مصر الجزء الثالث کتاب الامارت ص ۱۲۵۲

(۳) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۳ باب مناقب قریش و ذکر

القبائل ص ۲۲۹ حدیث ۵۷۲۹

(۴) ترمذی جلد ۲ ص ۱۹ حدیث ۹

(۵) تاریخ الخلفاء علامہ اہل سنت جلال الدین سیوطی مطبوعہ صدیقی

لاہور ص ۵

سید علی ہمدانی شافعی اہل سنت اپنی کتاب ”موودۃ القرینی“ میں حدیث

شریف نقل کرتے ہیں - ”عبدالملک بن عمیر نے جابر بن سمیرہ سے روایت کی

ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے

سنا کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ میرے بعد بارہ خلیفے ہوں گے۔ یہ فرما کر

حضور نے آہستہ سے کیا کہا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ فرمایا ہے کہ ”وہ

سب خلفاء بنی ہاشم سے ہوں گے۔“

منقولہ بالا روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ کے بہترین

خلفاء کی تعداد بارہ ہے۔ اور وہ قریشی و ہاشمی ہیں۔ آئیے اب ہم حضور

ہی سے التماس کرتے ہیں کہ وہ اپنے ان بارہ اوصیاء کے اسماء مبارک کا

تعارف فرمائیں۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ :-

”سلیم بن قیس ہلمی نے حضرت سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ

میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جناب امام حسین علیہ السلام آپ کی ران مبارکہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کبھی ان کی آنکھوں کے پور سے لیتے ہیں اور کبھی منہ کو چومتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:

”توسید (سرور) ہے اور سردار کا بیٹا ہے۔ اور امام ہے امام کا بیٹا ہے۔ اور حجتِ خدا ہے حجتِ خدا کا بیٹا ہے۔ اور خدا کی نو جنتوں کا باپ ہے جو تیری پشت سے ہوں گے کہ ان کا نواں ان کا قائم (علیہ السلام) ہو گا۔“

(روایت اہلسنت سے علی ہمدانی شافعی فی المؤدۃ القرنی۔ المؤدۃ العاشرہ، وموفق ابن احمد خطیب خوارزمی۔ از حج المطالب عبید اللہ بسمل ب روضۃ الاحباب ص ۴ ص ۶۷)

نقل کردہ حدیث سے ثابت ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام سردار امام اور حجتِ خدا ہیں۔ نیز امام حسین اور ان کے نو فرزند بھی ان ہی مقاماتِ جلیلہ پر نازل ہیں۔ مگر لاوی برحق اور مرسل اعظم نے نہ صرف امت کو ان لوگوں پر برحق کی نشاندہی کر لی بلکہ ان کے آسمان مبارکہ بھی بتلا دیئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے فرمایا کہ بعد نزول آیت مجیدہ ”اے مومنین اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اپنے اولی الامر کی“ میں نے پیغمبر خدا سے پوچھا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو پہچان لیا ان کی اطاعت و فرمانبرداری بھی کی لیکن حضورؐ میں نے ”اولی الامر“ کو نہیں پہچانا جس کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

”وہ میرے جانشین ہیں وہ میرے بعد تم پر حاکم و متصرف ٹھکانا، متوئی

بنائے گئے ہیں ان میں کا پہلا میرا بھائی ”علی“ ہے۔ اس کے بعد میرا بیٹا

”حسن“۔ اس کے بعد میرا فرزند ”حسین“۔ حسین کے بعد اس ترتیب سے

اس کا بیٹا علی بن حسین (امام زین العابدین) پھر محمد بن علی (امام محمد باقر)

اے جابر! جب تو میرے اس فرزند کو پائے اس کو میرا سلام پہنچا دینا۔

پھر جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) پھر موسیٰ بن جعفر (امام موسیٰ کاظم)

پھر علی بن موسیٰ (امام علی رضا) پھر محمد بن علی (امام محمد تقی) پھر علی بن محمد (امام علی نقی)

پھر حسن بن علی (امام حسن عسکری) اور پھر ہ۔ ج۔ ہ۔ د۔ بن حسن المہدی

(امام آخر الزماں علیہ السلام)۔ میرا یہ فرزند آخری زمانہ میں زمین کو عدل و

انصاف سے اسی طرح پُر کرے گا جس طرح ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔“

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام محمد باقر کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ آپ کا سن مبارک پانچ سال کا تھا۔ گویا صغیر السن تھے۔ اس

وقت از خود فرمانے لگے ”جابر! میرے جد بزرگوار کا سلام مجھے کیوں نہیں

پہنچاتے؟“ تو میں نے سلام پہنچا دیا۔

(دیکھیے کتب اہل سنت۔ بیابیع المودۃ ص ۳۷۹ مصنف علامہ سلیمان قزوینی

حنفی المذہب۔ شواہد النبوة ص ۱۵۹۔ ارنج المطالب ص ۲۰۳۔ صواعق محرقة۔

مودۃ القرنی۔ مناقب خوارزم۔ مفاہیح المطالب۔ حبیب السیر۔ روضۃ الاحباب وغیرہ

روایت بالامین حضور نے جو اسماء مبارکہ اپنے خلفاء کے بیان کئے

ان میں حضرت ابو بکر یا اہل سنت کے کسی اور خلیفہ کا نام نہیں ملتا۔ لہذا

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ احادیث رسول کی روشنی میں بھی حضرت علی ہی

وصی رسول اللہ ہیں۔

روضتہ الاحباب ص ۵۷ پر اہل سنت کے علامہ محوسی تحریر کرتے ہیں کہ ”جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خلیفے اور وصی اور خلیق خدا پر حجت میرے بعد بارہ ہیں۔ جن کا اول میرا بھائی ہے۔ اور ان کا آخر میرا لڑکا۔ پوچھا گیا آپ کا لڑکا کون ہے اور بھائی کون ہے۔ فرمایا میرا بھائی علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ اور میرا لڑکا مہدی علیہ السلام جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جب کہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی۔“

مُنکَرِ اِثْمِ اِطْهَارِ مُسْتَحَقِّ شَفَاعَتِ رَسُوْلِ نَبِيِّنَہِیْنَ اور وہ بہتمی ہے

حافظ البغیم مشہور عالم اہل سنت اپنی کتاب ”الخلیۃ“ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں ”جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا جو شخص ارادہ کرے کہ میری زندگی کی طرح زندگی گزارے اور میری موت کی مانند موت اور جنت عدن میں اس کا مکان ہو جیسے خدا نے مجھے دیا ہے۔ پس دوست رکھے علیؑ اور ان کی اولاد کو اور میرے بعد اماموں کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری اولاد ہیں۔ ان کی پیدائش میری طینت سے ہے۔ اور ان کو میرا علم و فہم عطا کیا گیا ہے۔ پس اس شخص کے واسطے دو نرخ

ہے کہ میرے بعد ان کو جھٹلائے اور وہ میرا اُمتی ہو۔ اور اُن کے درمیان قطع رحمی کرے۔ خداوند کریم ایسے شخص کے واسطے میری شفاعت نہ کرائے گا۔“

حدیث بالا سے یہ ثابت ہوا کہ ائمہ اطہار کو جھٹلانے والوں کا انجام دوزخ ہے۔ اور حضورؐ ایسے لوگوں کی شفاعت نہ فرمائیں گے۔ لہذا جہنم سے بچنے کے لئے اور شفاعتِ رحمتہ اللعالمین کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ آپؐ کی اولاد میں سے ائمہ پاک سے محبت رکھی جائے اور ان کی اطاعت کو بعد از رسولؐ لازم سمجھا جائے یہی سعادت مندی اور سرخروئی کا راستہ ہے۔ کسی ایسے اُمتی کی اطاعت جس نے ان ہادیانِ برحق کو جھٹلایا ہو اور ان کو اپنا اپنیجائی ہو حکمِ رسولؐ سے ثابت نہیں بلکہ ضلالت اور ہلاکت کی راہ ہے۔

اثباتِ خلافتِ حیدریہ از کتبِ ادیانِ دیگر

حضرت علیؑ کی خلافت کے نصوصِ قطعیہ نہ صرف کتبِ اسلامیہ میں موجود ہیں بلکہ آپؑ کی خلافت کی تصدیق دیگر کتبِ سماویہ الہامیہ - توریت - زبور - انجیل اور دیگر صحیفوں میں بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا جامی اپنی کتاب شواہد النبوة میں لکھتے ہیں کہ جنگِ صفین پر جاتے ہوئے جناب امیر نے اپنا کیمپ دریا کے کنارے پر لگایا۔ شمعون بن یوحنا نامی ایک سائب حاضر ہوا اور کتبِ سماویہ آپؑ کے سامنے پڑھیں جس میں ذکرِ سرکارِ رسالت

بلکہ ایک ویڈیو بھی پیڈٹ ہی سے سن لیجئے۔

”پراچین سے کی پرانی زبانوں میں ایک سنسکرت بھی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سب سے پرانی بولی ہے۔ اس میں کوئی شکھیا ایسے بھی ہیں جو آج کل عام کھنے پڑھنے اور بولنے میں نہیں آتے۔ اسی طرح کا ایک نام ہے ”ایلا“ اس کا مطلب ہے بڑے ہی اونچے درجے والا۔ اور آہلی آہلی یا آلی بھی اسی سے نکلا ہے، جیسا کہ عربی زبان میں کہتے ہیں۔ اعلیٰ علیٰ علی۔ تعالیٰ وغیرہ۔ پراچین ویڈوں میں ایسے بہت سے لفظ ملتے ہیں جن کو پڑھنے والے شبہ کر سکتے ہیں کہ وہ عربی کے بگڑے ہوئے یا سنسکرت سے عربی میں چلے گئے۔ (کتاب ناگساگر مولف پیڈٹ کرشن گوپال مطبوعہ سمیزون پریس آگرہ۔ شائع کردہ نارائن بک ڈپو آگرہ ۱۹۱۶ء ص ۱۲۱ ایڈیشن ۱۹۷۷ء)

لفظ ایلا کی مندرجہ بالا تشریح سے ثابت ہوا کہ کرشن جی کا اپنی دعویٰ فریاد میں آہلی یا ایلا کہنا حضرت علیؑ سے مدد کی درخواست کرنا تھا اسی لئے انہوں نے بار بار آپ کا اسم مبارک ورد زبان کیا ہے۔ اگر نہیں تو اہل ہنود و عاملان سنسکرت بتائیں کہ آہلی یا ایلا کے کیا معنی ہیں؟ سنسار کے سب سے بڑے مندر کا کالا پتھر کہاں ہے؟ اور اس میں کس

”آہلی یا ایلا“ نے اپنا چمٹکار دکھلایا ہے؟

(شکریر ایلیا مولف حکیم سید محمود گیلانی صاحب)

مندرجہ بالا واقعہ سے ثابت ہوا کہ کرشن جی ہمارا ج اللہ کے

بعد رسولؐ اور پھر محبوبؑ خدا اور رسولؐ ”آہلی“ کا درجہ مانتے تھے۔ یعنی

رسول اکرمؐ کے بعد جناب امیر علیہ السلام کو اپنا "فنی" "ناصر" اور "وسیلہ" تسلیم کرتے تھے۔ لہذا مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ولایت سرکار امیر المؤمنینؑ کو تسلیم کریں۔

اطاعتِ علیؑ اور زبورِ داؤدی
عبرانی زبورِ قدیم میں حضرت
داؤد علیہ السلام کا ارشاد یوں

درج ہے:-

"اَسْ ذَاتِ گرامی کی اطاعت کرنا واجب ہے جس کا نام "ایلی" ہے۔ اس کی فرمانبرداری سے ہی دین و دنیا کے کام بنتے ہیں۔ اس نگرِ انقدر ہستی کو "مدار" (یعنی حیدر) بھی کہتے ہیں۔ جو بے کسوں کا سہارا۔ شیر بیر۔ بہت قوت والا اور کعبا" (یعنی کعبہ) میں پیدا ہونے والا ہے۔ اس کا دامن پکڑنا اور اس کی فرمانبرداری میں رہنا ہر شخص پر فرض ہے۔ سن لو جس کے کان ہیں۔ سمجھ لو جس کا دماغ ہے۔ سوچ لو جس کا دل ہے کہ وقت گزر گیا تو پھر ہاتھ نہ آئے گا اور میری جہان میرے جسم کا تو ایک وہی سہارا ہے۔

(جوانہ "ایلیا" حکیم محمود گیلانی)

حضرت داؤد علیہ السلام نے بالکل وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے،
"علیؑ جو حیدر بھی کہلاتے ہیں کی فرمانبرداری و اطاعت ہی سے دین و دنیا کے کام بنتے ہیں۔ یہی وہ ہستی بھلیل ہے جس کی فرمانبرداری ہر شخص پر فرض ہے اور جو اس میں تاخیر کرے گا نقصان اٹھائے گا۔"

مہاتما بدھ کی دعا جو تیرے یوگیا کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔

اس دعا کے الفاظ سے فضیلت جناب امیر علیہ السلام کی معرفت ہوتی ہے۔ مہاتما یوں دعا گو ہیں :-

”اے اپنے پیاروں کے پیارے! (مطلوبِ محلِ مطلوب) اے ایلیا (یا علیؑ) اے سب پر غالب آنے والے (غالب علیٰ کلِّ غالب) آ اور اپنا جلوہ دکھا۔ میری دستگیری کر۔ اے پر ماتا کے شیر (اسم اللہ) دنیا کی لہریاں مجھے کھا جانا چاہتی ہیں۔ تجھے اس قسم جس کا تودست مبارک ہے۔ (بیر اللہ - قوۃ اللہ اور بازوئے محمدؐ) تجھے اس کی قسم جس کی کشتی تیرے اندر ہے۔ (طاقت) میری مشکل کشائی کر۔ تیرا وعدہ ہے کہ مصیبت پر پہنچوں گا۔ اب امداد کا وقت ہے۔ آج ہی آ۔ ورنہ میں برباد ہو جاؤں گا۔ تیرا نام وہ ہے جو پر آتما کا ہے۔ (یعنی جو خدا کا نام بھی ہے اور مرتضیٰ کا بھی) آکر تجھے دیکھنا نہ رسول پر آتھناؤں کے برابر ہے۔ (النظر علیٰ وجہ علی عبادۃ - یعنی علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے حدیث رسولؐ) تو جھگو ان جی کا چہرہ ہے۔ (وجہ اللہ) میرے پیارے تو سب تجھ ہے۔ اور میں تیرے بغیر تجھ بھی نہیں ”لنا“ اور ”لا“ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ سب حال تیرے سامنے ہے۔ میری تکلیفوں کا تجھ کو علم ہے۔ تو ہی ان کو دور کر سکتا ہے (اوم آلیا - اوم آلیا - اوم آلیا) (بحوالہ ایلیا۔ رسالہ بدھ گیان مصنف رام نرائن تبارسی ص ۱۵۷)

مندرجہ بالا عبارات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ کی ولایت کا تذکرہ نہ صرف کتب اہل سنت ہی میں موجود ہے بلکہ دنیا کے دوسرے مذاہب کی کتب میں بھی صراحتاً مرقوم ہے۔ یہ امر ایک قوی دلیل ہے کہ حقیقی وارث رسول مقبولؐ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ اگر حضرت ابو بکر وصی رسول اللہؐ ہوتے تو کم از کم ہمیں تو ان کے بارے میں بھی کوئی خبر یا بشارت کتب سابقہ میں مل جاتی لیکن ایسا نہیں۔

یورپین مورخوں کی رائے

مسلم حکومتوں نے سیاسی مقاصد کے تحت تاریخ کے حقائق پر پردہ پوشی کرنا اپنا مشغلہ بنائے رکھا۔ حسبِ منشا تاریخ لکھوائی گئی۔ اور فضائل آل رسولؐ کو حتی المقدور نظر انداز کیا گیا۔ لیکن اللہ کا نور پھونکوں سے بجھائے نہ بجھ سکا۔ بلکہ جتنا ان کے فضائل کو دیا گیا۔ اتنا ہی وہ ابھرتے رہے۔ حتیٰ کہ آج بھی ہمیں جب کبھی اپنے موقف کو تسلیم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ہم ہمیشہ فریقِ مخالف کی کتب کا سہارا لیتے ہیں۔ اور ان کے لئے حجت قائم کر لیتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں تحریف اور کمی بیشی کر دی گئی۔ لیکن پھر بھی دروغ گورا حافظہ نہ باشد کے تحت حصولِ مقصد نصیب نہ ہو سکا۔ اور حفاظتِ خدا کا وعدہ سچا ہوا۔

مغربی مورخین اس معاملہ میں قابلِ تحسین ضرور ہیں کہ انہوں نے تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کیا۔ اور اپنی اپنی تحقیقات سے عوام الناس

کو مطلع کیا۔ یہ مورخ چونکہ غیر مسلم ہیں۔ لہذا مسلمانوں کی تاریخ پر تبصرہ کرتے وقت یقیناً غیر جانبداری کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کو نہ تو کسی سے اندھی عقیدت ہے اور نہ ہی تعصب و عداوت۔ چنانچہ اہل انصاف کے لئے ان غیر مسلم مغربی تاریخ دانوں کی آراء نقل کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں نتیجہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

مسٹر و اشنگٹن ایرونگ اپنی تاریخ لائف آف محمد انڈینز
سکرز ص ۱۸۳-۱۸۱ پر حجتہ الوداع

یوم عرفہ کے حالات لکھتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ”مسیح اہلبیت خصوصاً علی سے محبت رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا اور عزت کرنا۔ جو شخص مجھے دوست رکھتا ہے اس کو علی سے بھی دوستی رکھنی چاہیے۔ خدا پر تو اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو اس سے دشمنی رکھے۔“ یہی مورخ اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”خلافت کے سب سے زیادہ امیدوار جناب علی تھے۔ جن کا سب سے زیادہ فطرتی حق تھا۔ کیونکہ رسول کے ابن عم اور داماد تھے۔ اور جناب فاطمہ سے آپ کی جو اولاد تھی وہی رسول کی یادگار رہ گئی تھی۔“ (سکرز آف محمد ص ۱۸۱)

تاریخ خلفاء رسول ص ۱ پر ایرونگ لکھتے ہیں کہ ”خونی رشتہ کے لحاظ سے حق خلافت حضرت علی کا تھا۔ (۱۸ صفحہ) ان کے اوصاف حمیدہ اور خدایات کثیرہ نے نمایاں طور پر انہیں مستحق خلافت ٹھہرا دیا تھا۔“

جس زمانے میں اسلام کا آغاز ہی تھا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں کو کفار ایندیں پہنچاتے تھے۔ رسولؐ نے علیؑ کو اپنا وصیؑ اور ”بھائی“ فرمایا تھا۔ اس وقت سے وہ برابر قول و فعل گفتار و کردار میں جاننا شروع کرتے رہے اور پوری عالی حوصلگی سے ایسے نمایاں طور پر اسلام کا ساتھ دیا جیسا کہ اپنی شجاعت سے ظاہر کیا تھا۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ | اپنی انگریزی کتاب خلافت میں لکھتے ہیں کہ ان ہر دو فرقوں سنی اور شیعہ میں سے

ایک نے رسولؐ کے سسر ابو بکر کو جانشین مانا اور دوسرے فرقہ نے ان کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتدائے مزید انصاف اور حمیت ہے تو لارکھی۔ بایں نظر کہ آنحضرتؐ ان سے (علیؑ سے) ہمیشہ محبت اور الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ ان کو جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ بالخصوص دو موقعوں پر (اول جب آنحضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے اظہارِ ایمان کیا۔ حضرت نے اپنی باہن اس (علیؑ) کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگا کر یاواز بلند اعلان کیا۔ ”دیکھو میرے بھائی میرے وصیؑ اور میرے خلیفہ کو۔“

(دوم) جب رسولؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا جبکہ خدا جس کو جبریل حضورؐ کے پاس لائے تھے۔ اور یوں کہا تھا۔ کہ اے پیغمبر! پر صلوات و رحمت خدا کی طرف سے لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سادیں۔ اور

کہتے ہیں پٹھر گئے اور لوگوں کے جم غفیر سے جو الفاظ بیان فرمائے اس سے ان کے ارادہ ولی عہدی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مطرسید ملاٹ انہار خیال کرتے ہیں کہ اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول جناب علیؑ کے موافق ابتداء سے مانا جاتا تو وہ برباد کون جھگڑے نہ ہوتے جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں غوطہ دیا۔

(کتاب مکروہ بحوالہ تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۶)

آنرینیل فریزر ٹیلر صاحب اپنی جرنل سہٹری ص ۲۲۹ پر لکھتے ہیں کہ

”حضرت محمدؐ نے اپنے داماد علیؑ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ مگر آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔“

عروج و زوال سلطنت روم مؤلفہ گبن ص ۹۳۸ پر صاحب مطرس گبن کتاب رقمطراز ہیں :-

”اگر علیؑ جو مستحق خلافت تھے بعد از سوال خلیفہ مقرر کر دیئے جاتے تو اسلام اپنے خون میں نہ نہاتا۔“

صحیح حدیث غدیر کا ثبوت منجانب خدا بشکل عتاب

یوں تو طالب حق کے واسطے صرف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کسی موقع پر حضرت ابوبکر کو

یادگیرا صحاب کو وصی " امام " خلیفہ " وارث " سید " ہادی "

" مولانا " ولی " کے القاب سے ملقب نہیں فرمایا۔ اور کوئی ایک بھی روایت صحیح کتب اہل سنت میں موجود نہیں ہے کہ حضور پاکؐ نے مذکورہ القاب سوائے حضرت علیؑ کے کسی دوسرے کو عطا کئے ہوں۔ لیکن ہم ناظرین کو مندرجہ

ذیل واقعات کی طرف دعوت غور دیتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ رب العزت نے اپنے اس حکم کی تصدیق کیسے کی۔

حضرت طلحہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب علیؑ کو منبر پر دیکھا کہ اصحاب

النس بن مالک کا مبروص ہونا

رسولؐ کو قسم دے رہے تھے۔ ان میں حضرت زبیر بن عبد المطلبؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ بھی منبر کے گرد بیٹھے تھے۔ اور جناب امیر منبر پرتشریف رکھتے تھے اور منبر کے ارد گرد مہاجرین و انصار سے بارہا برسی اصحاب موجود تھے۔ پس جناب امیر نے ان سے کہا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے حضورؐ سے من کنت مولاه فعلیٰ مولاه کے ارشاد کو سنا ہے۔ پس جب لوگ کھڑے ہو گئے اور انس بن مالک بھی لوگوں میں موجود تھے۔

انہوں نے گواہی نہ دی۔ جناب امیر نے انس بن مالک سے فرمایا تم کو شہادت دینے سے کس بات نے روکا ہے۔ یا وجودیکہ تم نے بھی یہ ارشاد رسولؐ سنا تھا۔ جو کچھ کہ ان لوگوں نے سنا۔ حضرت انس کہنے لگے۔ یا امیر المؤمنین میں بوڑھا ہوں۔ مجھے یہ بات بھول گئی ہے۔ جناب امیر نے دعا کی اسے میرے پروردگار! اگر یہ بھول گیا ہے تو اسے برس کی مرثیٰ میں مبتلا کر دے کہ اسے

عمامہ نہ چھپا سکے۔ طلحہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے انس بن مالک کی پیشانی پر وہ سفید داغ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔
 دروایت اہلسنت اخرجہ ابو نعیم وابن مردودہ۔ شواہد النبوة۔

ملا عبد الرحمن جامی ص ۱۶۸

انس بن مالک کا اعتراف
 کتاب الربیعین مؤلفہ اسد بن ابراہیم
 حنفلی سنی المذہب نے لکھا ہے کہ
 مسلم بن جعدہ حضرت انس کے پاس آیا۔ وہ ان دنوں اندھے تھے اور
 ماتھے پر کورٹھ کا نشان تھا۔

ایک شخص نے جو ان کے رشتہ داروں میں سے تھا ان سے دریافت کیا کہ اے مصاحب رسولؐ یہ آپ کے داغ کیسا ہے؟ حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مومن حرام و برص میں مبتلا نہیں ہوتا۔ حضرت انس نے سر جھکا لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ یہ برص حضرت علیؑ کی بدعا سے ہوا ہے۔ انس نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے حدیث بساط کا واقعہ دہرایا۔۔۔ انس کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے مجھ سے گواہی چاہی میں نے کہا کہ یہ واقعہ میں بھول گیا ہوں۔ جناب علیؑ نے فرمایا۔ اے انس حضورؐ نے اس گواہی کے دینے کی تجھے وصیت فرمائی تھی۔ پس تو نے باوجود وصیت رسولؐ کے اس گواہی کو چھپایا۔ خدا تعالیٰ تیرے منہ پر برص آنکھوں میں اندھا بن اور شکم میں سوزش پیدا کر دے۔ اس دعوے بد سے انس کے چہرے پر برص کا داغ پڑ گیا۔ آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور

پیٹ میں جلن پیدا ہو گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اللہ سوزشِ شکم کے سبب روزہ نہ رکھ سکتے تھے۔ اور رمضان میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

(عجقات الانوار جلد غدیر)

زید بن ارقم کی بصارت کا کھوجانا

حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں۔ کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس حدیثِ غدیر کو رسولؐ سے سنا تھا۔ پس میں نے اُسے جھپایا۔ میری بصارت جاتی رہی۔ حضرت زید بن ارقم اس شہادت نہ دینے پر نام رہا کرتے تھے اور استغفار کیا کرتے تھے۔

(اخرجہ ابو بکر بن مردوبہ۔ ابن مغازی۔ طبرانی۔ اربع المطالب باب ۱۷۱ اور شواہد النبوة ص ۶۸)

پس ان روایات سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حدیثِ غدیر کی تصدیق نہ کرنے کے سبب جلیل القدر صحابہؓ رسولِ اکرمؐ عذابِ الہی میں گرفتار ہو گئے۔

خلاصہ بیان

مندرجہ بالا بیان کا خلاصہ کلام درج ذیل ہے :-

(۱) وحی رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے صدیق اکبر ہیں۔

(۲) کئی وجوہات کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیقؓ قرآن نہیں پاسکتے۔

(۳) دعوتِ ذوالفقیر کے مطابق اسلام کی دعوتِ اول اقرار کر دی گئی۔ اور قرابتِ داروں میں حضرت علیؑ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ انہوں نے آپؐ کی تصدیق سب سے پہلے فرمائی اور مسلم اول ہونے کی حیثیت سے تصدیقِ اکبرؑ ٹھہرے۔ اسی موقع پر رسولؐ نے انہیں اپنا وصیؑ قرار دیا۔

(۴) سرکارِ رسالتِ مآبؐ نے اپنی زندگی میں کبھی شرک نہیں کیا۔ لہذا "وصی" کو بھی رسولؐ کے کردار کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ اس لئے کوئی "مشرک" وصی رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت علیؑ کی زندگی شرک کفر سے پاک و منزه ہے۔ لیکن یہ خاصیت حضرت ابوبکرؓ میں نہیں ملتی۔ متعدد مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کے لئے "وصی" خلیفہ" وارث" اور دیگر الفاظ جو مفہومِ خلافت کے لئے موزوں تھے استعمال کئے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو یہ شرف نصیب نہ ہو سکا۔

(۵) حضرت علیؑ ہارونِ محمدیؑ ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کو یہ درجہ حاصل ہو سکا۔ تبلیغِ سورہ برات کا فریضہ حضرت ابوبکرؓ کی بجائے حضرت علیؑ کو سونپا گیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو وجہ دریافت کرنے پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ہے اس کی تبلیغ یا میں خود کروں یا میرے اہلیت کا کوئی مرد۔ پس علیؑ انجھ سے ہے۔ اور وہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی" "میرا وارث" "میرا خلیفہ" ہے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ وصی رسولؐ ہوتے تو حضور علیہ السلام حضرت علیؑ کا تعارف بایں الفاظ نہ فرماتے۔

(۸) حدیثِ غدیر حضرت علی علیہ السلام کی وصالت کے لئے نضجِ حلی ہے۔

اس حدیث کی تصدیق قرآن مجید شہادتِ اصحاب اور خصوصاً حضرت عمر اور دیگر اصحاب کی مبارک بادی سے ہوتی ہے۔

(۹) مقامِ غدیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً جناب امیر علیہ السلام کی دستار بندی فرمائی۔

(۱۰) حرثِ فہری کے انکار و لائیت پر اسے ہنرمان کا عذاب دیا گیا۔

(۱۱) حکم و لائیتِ علویہؑ منجانبِ رب العزت تھا۔ کیوں کہ رسولؐ نے حرث کو تین مرتبہ یہی جواب دیا اور عصمتِ رسولؐ کا گواہ خود قرآن مجید ہے کہ نبی خدا کی طرف کوئی بات یونہی منسوب نہیں کر سکتا۔

(۱۲) خطبہ غدیر میں یہ وہ لفظ استعمال کیا گیا جو بھی معنی خلافت کے لئے موزوں ہے۔ "وصی"۔ "امام"۔ "خلیفہ" وغیرہ۔

(۱۳) بیان کردہ اہتمامات حضرت ابوبکر کے لئے منعقد نہ ہو سکے۔

(۱۴) تمام انبیاء کے "وصی" معصوم ہوتے۔ لہذا سختی مرتبت کے "وصی" کا بھی

معصوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ غیر معصوم ہیں۔ نیز سابقہ

انبیاء کے اوصیاء خاندانِ نبی کے افراد ہوتے نہ کہ صحابی۔ اس لئے

رسولؐ کا وصی بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور سنتِ الہیہ کے مطابق

اس کا خاندانِ رسولؐ میں سے ہونا بھی لازم ہے۔ چنانچہ حضرت

علی علیہ السلام معصوم اور اہلبیتِ رسولؐ ہونے کے سبب وصی رسولؐ

ہیں۔

(۱۵) حضرت ابوبکر سے حضرت علیؑ کا جہاد افضل ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ اُن سے افضل ہیں۔

(۱۶) مغضوب خدا کبھی "صدیق" نہیں ہو سکتا۔ حضرت فاطمہؑ جگر گوشہ رسولؐ کا غضب از روئے فرمانِ رسولؐ غضبِ خدا ہے۔ چونکہ نبیؐ پاک حضرت ابوبکرؓ پر ناراض نہیں۔ لہذا خدا بھی تموش نہ ہوا۔ اس لئے عہدہ صدیقیت کا جواز باقی نہ رہا۔

(۱۷) قرآن مجید کی رو سے خلیفہ برحق کا تقرر خود خدا کرتا ہے۔ اور وہ اجماعی نہیں ہوتا۔

(۱۸) حضرت ابوبکرؓ کو مخصوص لوگوں نے خلیفہ بنایا اور ان کی خلافت مخصوص نہ تھی۔

(۱۹) خلیفہ کا عالم بے مثل ہونا ضروری ہے۔

(۲۰) حضرت ابوبکرؓ کا علم کسی صورت سے حضرت علیؑ سے زیادہ نہ تھا۔

(۲۱) خلیفۃ اللہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع بھی ہوتا ہے اور حضرت علیؑ علم و شجاعت میں حضرت ابوبکرؓ سے افضل ہیں۔

(۲۲) ظالم "خلیفۃ اللہ" اور "وصی رسول اللہ" نہیں ہو سکتا۔ مشرک ظالم عظیم ہے۔ اس لئے کوئی مشرک عہدہ وصایت نبویؐ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ شونہی قسمت سے حضرت ابوبکرؓ اس معیار پر بھی پورے نہیں آتے۔

(۲۳) مشرک خلافت خاندانی وراثت ہے نہ کہ جمہوری اور حضرت ابوبکرؓ جمہوری خلیفہ تھے۔

(۲۴) احادیثِ رسول^۱ میں خلفائے رسول^۲ بارہ ہیں۔

(۲۵) یہ بارہ خلیفے قریشی و ہاشمی ہیں۔

(۲۶) آئمہ اثنا عشر علیہم السلام ہی کے اسماء مبارک حضور نے احادیث

میں ارشاد فرمائے۔ اور حضرت ابو بکر کو اس فہرست میں شامل ہونے

کی سعادت نہ مل سکی۔

(۲۷) آئمہ اطہار کا منکر شفاعتِ رسول^۳ مقبول سے محروم ہو گا۔ اور اس کا

ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ لیکن حضرت ابو بکر کی شان میں ایسا کوئی حکم وارد

نہیں ہے۔

(۲۸) خلافتِ حیدرآباد کی پیشگوئی سابقہ کتب و صحائف آسمانی میں موجود ہے۔

(۲۹) مغربی مورخین استحقاقِ خلافتِ علویہ تسلیم کرتے ہیں۔

(۳۰) صحابہ رسول^۴ کو شہادتِ ولایتِ علیؑ چھپانے کی وجہ سے عتابِ الہی

میں مبتلا کر دیا گیا۔

دورِ ابو بکر اور تمکینِ دین

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ خلیفہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ

وہ بادشاہ بھی ہو۔ لیکن بادشاہت اس کا حق ضرور ہوتا ہے۔ مگر خلیفۃ اللہ کے

لئے ضروری ہے کہ دینِ الہی کی تمکین کرے۔ اسے استحکام پہنچائے۔ دینی علوم و

فنون سے عوام کو روشناس کرائے۔ اور احکامِ خدا اور رسول^۵ کی نشر و اشاعت میں

کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے۔ دین کو مضبوطی سے قائم کرنا اس کا اولین فرض ہے۔

اس کے لئے خواہ اسے جاہ و حشم اور طاقتوں سے نکر ہی کیوں نہ لینا پڑے۔
لہذا سورہ نور کی آیت ۵۵ کے تحت حفاظتِ دینِ خلیفہ کا بنیادی فرض ہے۔
اس فریضہ کی روشنی میں ہم اب دورِ حضرت ابوبکرؓ کو زیرِ بحث لائیں گے۔ اور
دیکھیں گے تمکینِ دین کے لئے اُن کی جدوجہد کس حد تک مستحسن و کامیاب تھی۔

اس ضمن میں ہم سب سے پہلے ادائیگیِ حقوق
غضبِ حق منافیِ دین ہے

میں حق تلفی، ایک سنگین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم گذشتہ بیان میں یہ
بات ثابت کر چکے ہیں کہ حقِ خلافتِ حضرت علیؓ کا تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کچھ
مخصوص لوگوں کی مدد سے خلیفہ بن گئے۔ لہذا انہوں نے حضرت علیؓ کا حق تلف
کیا۔ اور خود غصبی حکومت قائم کر لی۔ از روئے اصولِ اسلام کوئی غصبی حکومت
اسلامی یا دینی حکومت نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسی حکومت کے زیرِ انتظام پورے
کا پورا نظام حکومت باطل قرار پاجائے گا۔ اس بنیادی اصول کے تحت اب
ایسی حکومت جو کچھ بھی کرے گی اس کا کم از کم دین سے واسطہ نہیں رہے گا۔ اور
جب حکومت دینی نہیں ہوگی تو تمکینِ دین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کارِ قضا
کچھ امورِ دینی کو فروغ حاصل ہوا بھی تو بھی وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی امر کی بنا پر
اعمال کا نتائج ہو جانا۔ باوجودیکہ ہم یہ بات پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ
خلافتِ حضرت علیؓ کا حق تھا اور حضرت ابوبکرؓ بذاتِ خود اس استحقاق کے دعویدار
نہ تھے۔ ہم مزید ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

عدمِ بیعتِ امیرِ علیہ السلام
مستحق تاریخِ اعمم کو فی ص ۱ اور

روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ پر ہے "وفات سرورِ دو عالم صلعم کے روز خواص نے سقیفہ میں بیعت کی اور دوسرے روز مسجد میں عوام نے بیعت کی جب اس بیعت سے فارغ ہو چکے تو حضرت ابو بکر نے ایک مجلس قائم کر کے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو بلوایا۔ آپ اس مجلس مہاجرین و انصار میں اپنی مناسب جگہ پر نشست فرما ہوئے۔ پوچھا ہمیں بلانے کا کیا منشا رہے؟ حضرت عمر بڑے کہ یہ مطلب ہے کہ چونکہ تمام اصحاب نے خلافت ابو بکر پر اتفاق کر لیا ہے۔ آپ بھی اتفاق کر کے بیعت کر لیں۔ حضرت امیرؓ نے فرمایا تم لوگوں نے قرابت رسولؐ کا وسیلہ پکڑ کر انصار کو تسکین دلائی ہے جس سے خلافت ابو بکر کو ملی ہے اب اسی وسیلہ کو میں اختیار کرتا ہوں۔ از روئے انصاف بات کرو کہ تم لوگوں سے آنحضرتؐ کا زیادہ قریبی کون ہے؟ خدا سے ڈرو اور بہانہ نہ کرو۔ اور جب انصاف لیا ہے تو انصاف کرو بھی۔ عمر نے کہا تجھ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم بیعت نہ کرو۔ اور ابو بکر کی خلافت میں دوسروں کے ساتھ متفق نہ ہو جاؤ۔

علی علیہ السلام نے جواب دیا میں اس بات سے کب ڈرتا ہوں۔ جب تک میری زندگی باقی ہے میں اپنے حق سے باز نہ رہوں گا۔ ابو عبیدہ جراح نے کہا اے ابو الحسنؓ آپ کی فضیلت اور سبقت لوگوں پر روشن ہے اس واسطے تو اس کی اہلیت اور استحقاق رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ لائق ہے۔ لیکن اصحاب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے اور ام خلافت ابو بکر پر قرار پلا گئی ہے تو بھی ان کے اتفاق سے راضی ہو اور مخالفت نہ کرے۔ حضرت حمیدؓ نے جواب دیا تو مقرب حضرت امین اور معتمد امت ہے معاف کرو اور جو بات سچی

ہو اس کو نہ نکال۔ وہ بخشش جسے اللہ نے خاندان نبوت کو عطا کی ہے۔ ایسا مت کرو کہ دوسروں کے خاندان میں چلی جائے۔ قرآن ہمارے گھر میں نازل ہوا ہے ہم معون علم دین ہیں۔ اور سنن سید المرسلین^۳ ہیں۔ رضاع شریعت اور مصالح امت کو دوسروں کی نسبت ہم بہتر جانتے ہیں۔ اپنی طبیعت کے موافق عمل نہ کرو کہ تم کو نقصان ہوگا۔ بشیر ابن سعد نے کہا اے ابوالحسن قسم ہے خدا کی اگر آپ کی تقریر ابوبکر کی بیعت سے پہلے تمام لوگ سنتے تو احتمال تھا۔ کہ دو کس اصحاب سے بھی مخالفت نہ اٹھتی لیکن جب آپ گھر میں بیٹھ رہے تو تمام لوگوں نے مجھاکہ آپ کو حکومت سے رغبت نہیں ہے۔ اب یہ آپ کی بات لوگوں کے فہموں کے خلاف ہے۔ اس پر کہ ایسا نہ ہو کہ امر شریعت میں خلل واقع ہو۔ ابوبکر پر بیعت کرنی ہے۔ اس خطرناک مہم کی باگ اس کے اقتدار کے قبضہ میں دے دی ہے۔ وہی برحق نفس پیغمبر نے جو بافا فرمایا۔ ”اے بشیر ذرا سوچو! کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ میں جسم مبارک خواجہ کائنات و خلاصہ موجودات گھر میں بلا تجہیز و تکفین چھپوڑ کر ریاست و حکومت کے طلب میں دوڑتا۔“

ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس امر میں میرے ساتھ جھگڑا کریں گے تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ اب جو خلقت نے بیعت کرنی ہے اگر آپ بھی اتفاق کر لیں تو میرا گمان خطا نہ جائے۔ اگر فی الحال بیعت کرنا نہیں چاہتے آپ پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بر سعادت شریف لے جائیے۔ امیر المؤمنین نے جب یہ باتیں ابوبکر سے سنیں تو اٹھ کر کھڑے شریف لائے اور بیعت نہ کی۔

دکتاب اہلسنت و صفۃ الصحابہ جلد ۲۲ (۲) روئے الاحباب جلد ۱ ص ۲۱۰ - تاریخ اعثم کوفی ص ۳

مذہبہ بالا عبارت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے دعویٰ حق خلافت دار کربلا اور حضرت ابوبکرؓ سے جھٹلائے سکے۔ انہوں نے اجماع کے علاوہ اور کوئی ثبوت استحقاق پیش نہ کیا۔ لہذا جناب امیر علیہ السلام کی حق تلفی حضرت ابوبکرؓ پر ثابت ہوگئی۔ ان کی حکومت ریاست غاصبہ قرار پائی۔ اس لئے یہ غصبی حکومت میں تمکین دین کا ہونا امر محال اور خلاف اصول ہے۔

دین کا تمکین اتحاد و اتفاق پر مبنی ہے۔ اگر امت متحد و منظم ہوگی تو دین کے قیام کو استحکام ملے گا۔ اس کے برعکس اگر یکجہتی ختم ہو جائے گی تو دین کی بنیادیں کھوکھلی ہونا شروع ہو جائیں گی۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں امت انتشار و گروہ بندی کا شکار ہوگئی۔ انتخاب ابوبکرؓ کے موقع پر سفینہ بنی سعد میں مسلمان مختلف راستے ہو گئے۔ مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ کئی حلیل المقدر صحابہؓ رسولؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ جیسا کہ سنی تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۸۶ پر لکھا ہے۔

”جناب علیؓ تمام بنی ہاشم، حضرت زبیر بن عوامؓ، طلحہؓ، خالد بن سعیدؓ، سعد بن عبادہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ، حذیفہؓ، حبابؓ، جابر انصاریؓ، ابوسعید خدریؓ، حضرت زبیر بن سلمؓ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیعت خلافت ابوبکرؓ سے انکار کیا اور حضرت علیؓ کی مطابعت کی۔ (اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ استیعاب وغیرہ)

اس دن کا انتشارِ اسلام کو نقصان پہنچانے کا سبب اول بنا۔ اور مسلمانوں میں گروہ بندیاں ہو گئیں۔ حضرت ابو بکر کے زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مرتد ہو گئے۔ فتنہ ارتداد کو دبانے کے لئے بالآخر حضرت ابو بکر نے حضرت علیؑ سے مدد طلب کی۔ اور ان کی ہدایات پر اس فساد کی سرکوبی ہوئی۔ کئی تھوڑے نبی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مسئلہ زکوٰۃ نے تشویش ناک صورتِ حال اختیار کر لی۔ اور لوگوں نے آپس میں جھگڑے شروع کر دیئے۔ خود صحابہؓ رسولؐ خانہ جنگی کا شکار ہو گئے۔ اور دین کے تمکین کی بجائے سلطنت کی وسعت کی گئی۔ جب کبھی بھی دینی مشکل پیش آئی خلیفہ برحقؑ کو مشکل کشائی کے لئے پکارا گیا۔ اور اس گوشہ نشین نے دین کے عمل کی بنیادوں کو اپنے اور اپنے اہل خاندان کے خون کے گارے سے استوار کیا۔

دینِ اسلام کا نام ہی سلامتی کی گارنٹی دیتا ہے
ظلم اور تمکین دین اور ظلم اصول دین الہیہ کے خلاف ہے۔ کوئی

ظالم حکمران نائبِ خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب ہم خلیفہ برحق کے فرضِ اولین یعنی ”تمکین دین“ کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہیں۔ تو یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے کہ ظالم حکومت کسی صورت سے بھی تمکین دین کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی کلمہ کے تحت جب ہم دورِ ابو بکر پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایسے مظالم دیکھنے میں آتے ہیں جو مرتدوں اور ناقابلِ انکار ثبوت ہیں کہ ان کا دور

”تمکینِ دین“ کا حامل نہ تھا۔ مثلاً اہم چند واقعات کی جانب ناظرین کی توجہ مبذول کرتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ دورِ حضرت ابوبکر میں تمکینِ دین کیا ہوئی؟

خانہ سیدۃ النساء کو آگ لگانے کی کوشش | حضرت ابوبکر کے دور میں
سب سے پہلے حکومت کی جانب سے خانوادہ سرکار کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشانہ بنے۔ اور اس کا اظہار سیدہ طاہرہؓ نے ان الفاظ میں کیا۔ ”جو مصائب مجھ پر پڑے اگر یہی دنوں پر پڑتے تو مارے عم کے رات ہو جاتے۔“ ان ہی مصائب میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے مکان کو آگ لگانے کا سامان ہوا چنانچہ اہل سنت محمد بن جریر طبری تاریخ الامم والملوک مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۹۸ پر لکھتے ہیں:-

”ابن حمیدی راوی ہے کہ عمر ابن الخطاب جناب علیؑ کے مکان پر آتے اس پر طلحہ وزیر اور کچھ مہاجرین بیٹھے تھے۔ پس عمر نے کہا۔ واللہ میں ضرور جلادوں کا تم پر اس مکان کو ورنہ باہر نکل آؤ اور بیعت کرو۔ پس زبیر تلوار کھینچتے ہوئے باہر آئے مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ پس تلوار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور لوگوں نے دوڑ کر زبیر کو پکڑ لیا۔“

عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۵۶ پر مرقوم ہے:-

جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت سے تعلق کیا۔ وہ حضرات علیؑ عباسؑ زبیرؑ سعد بن عبادہ تھے۔ پس علیؑ و عباسؑ اور زبیرؑ جناب فاطمہؑ کے گھر کے

بیٹھے یہاں تک کہ ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو اُن کی طرف بھیجا کہ اُن کو جناب
 فاطمہ کے گھر سے نکال دے۔ اور کہہ دیا اگر وہ انکار کریں تو انہیں قتل کر دے
 پس عمر آگ کی چنگاری لئے ہوئے آئے کہ مکان کو آگ لگا کر اُن لوگوں کو
 جلادیں۔ پس جناب فاطمہ نے عمر ابن خطاب کو دیکھا تو کہا۔ اے خطاب
 کے بیٹے! کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمارے گھر کو راکھ کرے۔ اُس نے جواب
 دیا۔ ”ہاں“ ورنہ جس طرح دیگر لوگوں نے بیعت کر لی ہے تم لوگ بھی بیعت
 کر لو“ (روایت اہلسنت)

(یہی واقعہ دیکھئے سنی الوفا کی تاریخ المحترق فی اخبار البیتر جلد ۱ ص ۱۵۶)

امام اہلسنت ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ اپنی مشہور کتاب
 ”الواعظ والسیاست“ مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۲ پر یہ واقعہ احراق بیت
 بنت رسول امین صلعم یوں لکھتے ہیں :

”تحقیق ابوبکر نے اُن لوگوں کی خبر کی جو اُن کی بیعت سے تعلق کر کے
 حضرت علی کے پاس جمع ہوئے تھے۔ اور ان کے پاس حضرت عمر ابن خطاب
 کو بھیجا جبکہ وہ حضرت علی کے گھر میں تھے۔ عمر آئے اور ان کو آواز دی۔ انہوں
 نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ تو عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا کہ قسم ہے اُس
 ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ نکل آؤ ورنہ میں اس میں
 آگ لگا دوں گا۔ اور ان لوگوں کو جو اس میں ہیں پھونک دوں گا۔ پس کسی نے
 کہا اے حفصہ کے باپ (عمر) اس گھر میں تو فاطمہ ہیں۔ پس عمر نے کہا۔
 ہوا کریں (میری بلا سے) تب وہ لوگ نکل آئے اور بیعت کر لی۔ لیکن

علیؑ نہ نکلی۔ عمر نے خیال کیا کہ علیؑ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا چادر کندھوں پر نہ ڈالوں گا۔ پھر جناب زہراؑ دروازہ کے پاس کھڑی ہوئیں اور فرمایا ”مجھے تم سے زیادہ بدتر قوم سے پالا نہیں پڑا۔ تم نے جنازہ رسولؐ ہمارے ہاتھوں میں تھوڑا اور اپنے کام کی کتر بیونت میں لگ گئے۔ (یعنی حکومت کے حصول) ہم سے مشورہ ہی نہ لیا۔ اور ہمارا حق نہ دیا۔“ پس عمر ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کیا آپ اس شخص سے جو آپ سے پھر اپنی بیعت نہ لیں گے؟ پس ابو بکر نے اپنے غلام قنقد سے کہا جناب علیؑ کو میرے پاس بلا دو۔ پس وہ خدمت امیرؑ میں حاضر ہوا۔ حضرت علیؑ نے دریافت کیا۔ تمہارا کیا کام ہے۔

قنقد:- (عرض کیا) آپ کو خلیفہ رسولؐ بلا تے ہیں۔

حضرت علیؑ:- (جواب دیا) کس قدر جلدی تم لوگوں نے رسول خداؐ پر تھوڑا باندھا ہے۔

قنقد نے واپس آ کر پیغام علیؑ ابو بکر کو پہنچایا۔ اور ابو بکر دیر تک روتے رہے۔ عمر نے دوبارہ کہا کہ علیؑ سے بیعت لینے میں ڈھیل نہ کرو۔ تب ابو بکر نے دوبارہ قنقد کو کہا کہ علیؑ سے کہو کہ امیر المؤمنین بلا تے ہیں قنقد دوبارہ آیا اور جو کچھ کہا گیا تھا کہہ دیا۔ حضرت علیؑ نے بلند آواز میں ارشاد فرمایا:-

”سبحان اللہ کیسا دعویٰ ہے جس کا مطلق اُسے حق حاصل نہیں۔“ قنقد واپس آیا اور ابو بکر تک جناب علیؑ کا پیغام پہنچایا۔ یہ سن کر ابو بکر پھر روتے چنانچہ حضرت عمرؓ اٹھے اور اُن کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی۔ یہاں تک کہ دروازہ

کھٹکھٹایا۔ جب فاطمہؑ نے ان کی آوازیں سنیں تو بہت زور سے رونے لگی اور
 فریاد کی۔ ”اے باپ رسول اللہؐ! ابن خطاب (عمر) اور ابن ابی
 قحافہ (ابوبکر) کے ہاتھوں کیا مصائب اٹھا رہے ہیں؟“
 جس وقت جناب سیدہ کی آہ وزاری ان لوگوں نے سنی تو اُلٹے
 پھر گئے۔ ان کے دل درو کر رہے تھے اور جگر شق ہو رہے تھے۔ لیکن عمر ابن
 خطاب اور اس کے چند ساتھی ٹھہرے رہے۔ پس انہوں نے جناب علیؑ کو نکالا
 اور ابوبکر کے پاس لے گئے۔ اور کہا کہ بیعت کرو۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا اگر میں
 بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا؟ جواب دیا۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا
 کوئی خدا نہیں۔ ہم لوگ تمہاری گردن مار دیں گے۔ آپؑ نے فرمایا تم ایک
 بندہ خدا اور برادر رسولؐ کا خون کرو گے۔ عمر نے کہا بندہ خدا تو خیر مگر تو رسول
 اللہؐ کا بھائی نہیں۔ ابوبکر (حاکم وقت) خاموشی سے سنتے رہے اور کچھ نہ بولے۔
 عمر نے کہا اس کے بارے میں حکم کیوں نہیں دیتے۔ پس ابوبکر نے کہا۔
 جب تک فاطمہؑ ان کے پہلو میں ہیں ان پر کسی معاملہ میں جبر نہیں کر سکتا۔
 پس حضرت علیؑ و منہ رسولؐ سے آکر لپٹ گئے۔ اور نالہ و فریاد کرنے لگے۔
 فرمایا۔ ”میرے ماں جائے (بھائی) تحقیق اس قوم نے مجھے لاجوار
 کر دیا ہے اور میرے قتل پر آمادہ ہیں۔“

(یہی فریاد حضرت بارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے کی تھی۔ قرآن)
 پس پھر عمر نے ابوبکر سے کہا کہ آؤ فاطمہؑ کی خدمت میں چلیں۔ کیونکہ
 تحقیق ہم نے انہیں غضبناک کیا ہے۔ پس وہ دونوں ساتھ ساتھ جناب فاطمہؑ

کے گھر پر آئے۔ اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جناب سیدہ نے ان دونوں کو اجازت نہ دی۔ پس جناب علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے دونوں نے باتیں کیں۔ حضرت علیؑ ان دونوں کو جناب سیدہ کے پاس لائے۔ جب وہ ان کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو جناب سیدہ نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ انہوں نے سلام کیا۔ جناب فاطمہؑ خاموش رہیں۔ پس ابو بکر نے کہا: "اے حبیبِ رسولؐ ہم نے تمہارے شوہر کے بارے میں تم کو غضبناک کیا ہے۔" جناب فاطمہ نے فرمایا: "یہ کیا بات ہے کہ تیرے اہل تو تیری میراث پائیں اور ہم محمدؐ کی میراث سے محروم رہیں۔" ابو بکر بولے واللہ قرابت رسول اللہ کی میری قرابت سے زیادہ

محبوب ہے۔ اور تم مجھے عائشہؓ سے زیادہ ہو۔ اور جس دن آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ میں مرحمتاً اور آنحضرتؐ کے بعد زندہ نہ رہتا۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کا حق اور ورثہ روکتا ہوں جو رسولؐ کی طرف سے آپ کو پہنچا ہے حالانکہ میں آپ کے فضل و شرف سے واقف ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ میں بھی تم سے رسولؐ کی ایک حدیث بیان کروں۔ کیا اسے پہچانو گے اور اس پر عمل کرو گے۔ ابو بکر بولے "مزور"۔ پس جناب سیدہ فاطمہؑ نے فرمایا۔ میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ تم دونوں نے رسولؐ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ "رضائے فاطمہؑ میری رضا، اور فاطمہؑ کا غضب میرا

غضبہ سے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہ سے محبت رکھی اس نے مجھے راضی کیا۔ اور جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ دونوں نے اقرار کیا کہ ہم نے ایسا ہی سنا ہے۔ تب جناب فاطمہ نے فرمایا: ”میں خدا اور اس کے فرشتوں کو گواہ کرتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا اور راضی نہیں کیا ہے۔ جب نبی صلعم سے ملاقات کروں گی تو حضورؐ تم دونوں کی شکایت حضورؐ سے کروں گی۔“ تب ابو بکر نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے فاطمہ کہ آنحضرتؐ اور تم غضبناک ہو۔ یہ کہہ کر ابو بکر رونے لگے یہاں تک کہ اُن کا دم گھٹنے لگا لیکن جناب سیدہ طاہرہؓ یہی کہتی گئیں۔ واللہ جو نماز میں پڑھوں گی اس میں تمہارے لئے بد دعا کرتی ہوں گی۔ پس ابو بکر روتے ہوئے نکلے۔ راوی کہتا ہے کہ پس جناب علیؓ نے بیعت نہ کی جب تک سیدہ کا انتقال نہ ہو گیا۔

واقفہ قصدا حراقِ خاتمہ بتول کی تصدیق کے لئے اہلسنت حضرات کی مندرجہ ذیل کتب بھی ملاحظہ فرمائیے۔

- (۱) مروج الذهب علامہ مسعودی ص ۱۵۹ بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۹
- (۲) الملل والنحل علامہ شہرستانی جلد ۱ ص ۳۵
- (۳) استیعاب فی العرفۃ الاصحاب علامہ امام اہلسنت ابن عبد البر جلد ۱ ص ۳۴۵
- (۴) تحفہ اثناعشریہ محدث اہل سنت شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۲۹۲

(۵) الفاروق علامہ اہلسنت مولانا شبلی نعمانی حصہ اول ص ۱

(۶) منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۴۴

(۷) رویے صادقہ مصنفہ ڈپٹی نذیر احمد ص ۱۵۲

مندرجہ بالا واقعہ پر غور کرنے سے یہ ناقابل انکار حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ محض طلب بیعت کی خاطر آل رسولؐ کو اذیت پہنچائی گئی اور خانہ رسولؐ کو نذر آتش کرنے کا سامان کیا گیا۔ جبکہ بقول علامہ اہل سنت جلال الدین سیوطی "تفسیر و منشورہ"۔ یہ گھرانہ نبیاء کے گھروں سے افضل ہے اب اہل انصاف خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو حکومت ایسے سنگین اقدامات کا ارتکاب کرے۔ اسے دین کی تمکین سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔

منقولہ بالا روایت ہی میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ باوجود سخت مصائب کے خلیفہ برحقؓ نے فریضہ دین کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے قرآن جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ اور وہ کیوں نہ کرتا۔ جب کہ وہ وارث کتاب ہے۔ اور خود قرآن ناطق۔ اسی لئے تو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ "قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہے۔"

بی بی پاکٹ کا تقدس محتاج تعارف نہیں۔ جیسا کہ ان کا ناراض ہونا بالواسطہ رسولؐ خدا کا ناراض ہونا ہے۔ اور یہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آپ خلیفہ صاحب پر راضی نہ تھیں۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ خدا بھی اس وقت تک راضی نہ ہو گا جب تک فاطمہؓ راضی نہ ہوں۔ جب حکومت کو رمضان سے الہی انصیب نہ ہوتی تو تمکین دین کس طرح ممکن ہے؟ پس ثابت ہوا کہ

دور حضرت ابو بکر میں تکبیر دین کی بجائے تو ہمیں دین ہوتی۔ وراثت دین کی بے حرمتی کی گئی۔ اور محمد و مرہ کونین پر اس قدر ستم ڈھائے گئے کہ آپ صفر چھ ماہ بعد اپنے والد بزرگوار سے جا ملیں۔ شاہ کون و مکاں و مشکل کشائے عالم کے گلے میں رستی بانڈھی گئی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کی آڑ میں کسی باعظمت و صلح اصحاب رسول کو سیاسی نشانہ انتقام بنایا گیا اور نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ داخلی معاملات سے توجہ ہٹانے کی خاطر فتوحات کی جانب دھیان موڑ دیئے گئے۔ اور لوگوں میں جنگی لوٹ مار کی حرص پیدا کر دی گئی۔ جو بعد میں مسلمانوں کے لئے ایسا بدنما دھبہ ثابت ہوا جسے آج تک دھویا نہیں جاسکا۔ خود فہمی و خوش عقیدت کچھ بھی کہے تاہم لوگوں نے کہہ دیا کہ اسلام بزور تلوار پھیلا ہے۔ پس یہ شاندار فتوحات ہمارے لئے باعث افتخار نہیں بلکہ بعض اوقات وجہ ندامت بن گئی ہیں۔ اگر وسعت سلطنت ہی کا نام تکبیر دین ہے تو پھر سکندر اعظم، چنگیز خان، ہلاکو خان اور ٹیملر وغیرہ کے بارے میں کیا خیال شریف ہو گا؟

وما علینا الا البلاغ المبین

خادم بتول
عبدالکریم مشتاق

۳/۱۱/۸ ناظم آباد۔ کراچی ۱۹۸۰